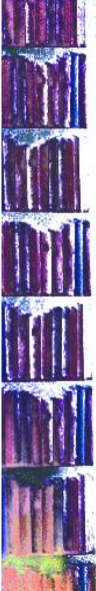

طبّی تبصرے

حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی

طبّی تبصرے

LIKE US ON facebook
Tibbi Books for Atiba Karam

حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب	:	طبّی تبصرے
مصنف وناشر	:	حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی
باراول	:	2010
تعداد اشاعت	:	500
صفحات	:	192
قیمت	:	-/100 روپے
رابطہ	:	فکروفن، دلکشا، این-۳۹، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
پروڈکشن	:	**اردو بک ریویو**

1739/3 (Basement), New Kohinoor Hotel
Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-110002
Ph: 011-23266347 Email: urdubookreview@gmail.com

یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے

TIBBI TABSEREY
Author: Hakeem K.A. Shafqat Azmi
Ist Edition: 2010 Pages: 192 Price Rs. 100/-
Printed at: Classic Art Printers, New Delhi-2

انتساب

ان پاکیزہ نفوس کے نام جو اپنی تحریروں پر نقد و تبصرہ
بطیب خاطر انگیز کرتے نیز اس کی روشنی میں
اپنی تخلیقات کو مجلّٰی و منقّٰی کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں

شفقت اعظمی

بسم الله الرحمن الرحيم

ترتیب

مقدمہ	پروفیسر حکیم سید ظل الرحمن	۸
آغاز سخن		۱۳
۱ رسالہ جودیہ		۱۵
۲ حکیم اجمل خاں		۱۸
۳ اطباء اور ان کی مسیحائی		۲۳
۴ بیت الحکمت کی طبی خدمات		۲۷
۵ تذکرہ خاندان عثمانی (الہ آباد)		۳۰
۶ تشریح الاحشاء		۳۲
۷ پیٹ کے کیڑے		۳۶
۸ اعصاب دماغیہ		۴۰
۹ کتاب العمدہ فی الجراحۃ (اول و دوم) اردو ترجمہ		۴۳
۱۰ مصباح الادویہ		۴۷
۱۱ کتاب الکلیات (اردو ترجمہ)		۵۱
۱۲ المعالجات البقراطیہ (حصہ اول)		۵۶
۱۳ ماہیت الامراض		۶۰
۱۴ رہنمائے تقدیر		۶۲

۱۵	یونانی ادویہ مرکبہ	٦٦
١٦	عہد مامون کی طبی وفلسفیانہ کتب کے تراجم۔ تحقیقی مطالعہ	٦۹
١٧	غشیات	٧٢
١٨	رہنمائے مطب (حصہ اول)	٧۵
١۹	تشریح البدن (ہیکل عظمی)	٧٧
۲۰	طب یونانی اور چیلنجز	٧۹
۲١	بری عادتیں-نقصانات-تدارک	٨۲
۲۲	قومی صحت	٨۴
۲۳	طبیب (١۹۹٧ء)	٨٦
۲۴	کتاب الصحت	٨٨
۲۵	طب یونانی-مسائل اور وسائل	۹۰
۲٦	یونانی-دی سائنس آف گریکو عرب میڈیسن (انگریزی)	۹۳
۲٧	تشریح الابدان	۹۵
۲٨	عظمت رازی	۹٨
۲۹	مبحث حمیات	١۰۲
۳۰	تاریخ طب واخلاقیات	١۰٧
۳١	کتاب المفردات	١١۲
۳۲	امراض جراحیہ اور یونانی مطب	١١٧
۳۳	جراثیمی یا عفونتی امراض	١۲١
۳۴	کتاب السموم	١۲٦

۳۵ کتاب التخلیص	۱۲۸
۳۶ ادویۂ معدنیہ	۱۳۲
۳۷ طبیب	۱۳۳
۳۸ معلم العربیۃ	۱۳۷
۳۹ کامل الصناعہ (عربی)	۱۴۰
۴۰ ایران نامہ	۱۴۳
۴۱ کیمیائے عناصری	۱۴۷
۴۲ جگر لخت لخت	۱۴۹
۴۳ سفرنامۂ بنگلہ دیش	۱۵۲
۴۴ کتاب التکلیس	۱۵۵
۴۵ تذکرۂ اطبائے اودھ	۱۵۸
۴۶ حکیم سید ظل الرحمن۔ حیات و خدمات	۱۶۳
۴۷ رموز اعظم (فارسی) در دو جلد	۱۷۰
۴۸ تنقیح المفردات	۱۷۳
۴۹ المعالجات البقراطیہ (اردو ترجمہ) حصہ دوم، سوم	۱۷۹
۵۰ انڈین جرنل آف یونانی میڈیسن (انگریزی)	۱۸۳
۵۱ قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے	۱۸۸

●●●

تقدمہ

پروفیسر حکیم سید ظل الرحمٰن

سابق ڈین فیکلٹی آف یونانی میڈیسن و چیئرمین شعبۂ علم الادویہ فیکلٹی آف یونانی میڈیسن، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی جنوری ۱۹۷۵ء میں علی گڑھ میں لٹریری ریسرچ یونٹ میں ریسرچ اسسٹنٹ کی حیثیت سے آئے تھے۔ یہاں پہنچنے کے فوراً بعد مجھ سے ان کا تعلق قائم ہوا اور بہت جلد وہ مجھ سے مانوس ہو گئے۔ ۱۹۷۴ء میں میری کتاب بیاض وحیدی شائع ہوئی۔ اردو اکاڈمی یو پی کی طرف سے اس پر انعام دیئے جانے کی خوشی میں میرے محترم اور مخلص حکیم محمد اسلم صدیقی نے ایک بڑی تقریب کا اہتمام کیا۔ ۲۴ اپریل ۱۹۷۵ء کی اس تہنیتی تقریب کی صدارت اس وقت کے علی گڑھ کے وائس چانسلر پروفیسر علی محمد خسرو نے کی تھی۔ اس تقریب میں پروفیسر محمد شفیع (پرووائس چانسلر)، پروفیسر انور انصاری (نفسیات)، پروفیسر فخر الدین (جیالوجی)، پروفیسر وحید قریشی (ہسٹری)، پروفیسر رشید الظفر (سول انجینیئرنگ، بعد میں وائس چانسلر جامعہ ہمدرد دہلی)، پروفیسر ناصر علی (پولیٹیکل سائنس)، پروفیسر عبدالماجد صدیقی (بایو کیمسٹری) اور یونیورسٹی کے دوسرے شعبوں کے اساتذہ کے علاوہ طبیہ کالج کے تقریباً تمام اساتذہ شریک تھے۔ شفقت اعظمی کی بڑے تعلق کی بات تھی کہ انہوں نے اس موقع پر "سید ظل الرحمٰن شخصیت و فن" کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا۔ حکیم محمد اسلم صدیقی نے بھی میری حقیر خدمات پر روشنی ڈالی تھی اور پروفیسر علی محمد خسرو نے علمی و تصنیفی کاوشوں پر اظہار مسرت کرتے ہوئے قدر و حوصلہ افزائی کے کلمات کہے تھے۔

۱۹۷۹ء میں حکیم شفقت اعظمی کا انتخاب ریسرچ آفیسر کے لئے ہو گیا، نتیجۂ کار وہ پٹنہ کی

لٹریری ریسرچ یونٹ تبادلہ پر چلے گئے اور وہاں سے ایک سال بعد حیدرآباد اور پھر دہلی پہنچے۔ علی گڑھ میں ان کے قیام کے دوران اکثر ملاقات ہوتی تھی۔قبلہ والد صاحب اور تایا صاحب کی خدمت میں بھی وہ حاضر ہوتے تھے اور دونوں حضرات کو ان سے ایک خاص مناسبت پیدا ہوگئی تھی۔شفقت اعظمی کے علمی ذوق نے ہم لوگوں سے ان کو بہت قریب کردیا تھا۔ان میں میں نے مطالعہ اور کتب بینی کا شوق بے پایاں پایا۔بعد میں انہوں نے اپنے بیش قدر مضامین اور تصنیفی کاموں کے باعث ملک کے علمی حلقوں میں اپنی خاص پہچان بنائی۔

شفقت اعظمی سینٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نئی دہلی سے متعلق رہے اور ان کی بیشتر مدت ملازمت اس کے لٹریری یونٹ/انسٹی ٹیوٹ سے وابستگی میں گزری۔آخر میں وہ ڈپٹی ڈائریکٹر کے منصب سے سبکدوش ہوئے۔لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سے وابستگی کی بناء پر اس کے بہت سے تصنیفی کاموں میں وہ شریک رہے اور کونسل کی متعدد کتابیں ان کے تعاون سے اشاعت پذیر ہوئیں،کونسل کے سہ ماہی مجلّہ جہان طب کے وہ معاون مدیر تھے۔اس کے اکثر شماروں میں ان کے مقالات شائع ہوئے ہیں۔یہ مقالے ان کے مطالعہ اور فنی منزلت کا مظہر ہیں۔انہوں نے ایک مضمون ''طب یونانی کے ارتقاء میں لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن کا حصہ'' میں وہاں ہونے والے علمی کاموں کا جائزہ پیش کیا ہے۔

ان کے دوسرے مضامین الحاوی الکبیر فی الطب علمی وفنی نقطۂ نظر سے' کلیات قانون اور کلیات ابن رشد کا تقابلی مطالعہ' قلب، امراض قلب اور بصائر ابن سینا، ذخیرہ نظام شاہی ایک نادر مخطوطہ، قرابادین خان زمانی یعنی گنج بادآورد کا جائزہ' حکیم علوی خاں کی طبی خدمات، طب یونانی کا ارتقاء عہد آصف جاہی میں، طب یونانی کا ارتقاء اسلام کے زریں عہد وسطیٰ میں، طب کا دبستان لکھنؤ، نکات طب دبستان دہلی کی شاعری میں، طب یونانی کے امتیازات، اردو زبان وادب کی ترویج واشاعت میں اردو طبی کتابوں کا حصہ، نظریہ مزاج اور حکیم افتخار الحق تکمیلی کا انداز تفہیم، ترقی پذیر طرز زندگی اور اسباب ستہ ضرور بہ قابل ذکر ہیں۔انگریزی زبان میں بھی ان کے وقیع اور مبسوط مقالات کی اشاعت اس پر مستزاد ہے۔کتابی شکل میں ان مضامین کی اشاعت طب کے علمی ادب میں ایک اچھا اضافہ سمجھی جائے گی۔

شفقت اعظمی کی مستقل کتابوں میں امراض النسا، امراض قلب، امراض الاطفال، امراض ریہ، امراض العین اور حماد عثمانی شخصیت و خدمات ہیں۔ امراض النساء خاص طور پر اپنے موضوع کی معلومات افزا ضخیم کتاب ہے۔ اس کی تالیف کے دوران قدیم و جدید ماٰخذ ان کے مطالعہ میں رہے ہیں۔ انہوں نے جہاں فردوس الحکمت، الحاوی، غنیٰ منٰی، کامل الصناعۃ، القانون کتاب المائۃ، کتاب المختارات، کتاب التیسیر اور شرح قرشی اور فارسی و اردو کی قابل سند کتابوں کو پیش نظر رکھا ہے، وہاں اس موضوع کی انگریزی کتابوں سے بھی انہوں نے اخذ مواد کیا ہے اور ہر طرح اسے معیاری کتاب بنانے کی سعی کی ہے۔ آخر میں طبی اصطلاحات کے مترادف انگریزی نام لکھے ہیں۔ اس سے قدیم و جدید کتابوں کے مطالعہ میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔

"طبی تبصرے" شفقت اعظمی کے ان تبصروں پر مشتمل کتاب ہے، جو انہوں نے طبی کتب و رسائل پر کیے ہیں۔ یہ تبصرے مختلف رسالوں میں شائع ہوئے ہیں۔ تبصروں کی خوبی یہ ہے کہ ان میں کتاب کا اس طرح تعارف کرایا گیا ہے کہ نہ صرف صاحب کتاب کی شخصیت بلکہ کتاب کی وہ ساری خصوصیات سامنے آجاتی ہیں جو متعلقہ مضمون کے سلسلہ میں اہمیت رکھتی ہیں۔ شفقت اعظمی نے بڑی فراخ دلی سے مصنفین کے کاموں کو سراہا ہے اور ان کی کاوشوں کی تحسین کی ہے۔ یہ بڑی عالی حوصلگی اور وسعت قلبی کی بات ہے۔ معائب اور کمیوں کے اظہار کے لیے اکثر زبانیں دراز رہتی ہیں اور محاسن کے اظہار اور کلمات تحسین کی ادائیگی میں بڑے بخل سے کام لیا جاتا ہے۔

کوثر چاندپوری کی کتاب "حکیم اجمل خاں" کے تبصرہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"کوثر چاندپوری ایک ایسی جامع شخصیت کا نام ہے، جس کے کئی روشن پہلو عوام اور اہل نظر کے سامنے آچکے ہیں۔ موصوف ایک کامیاب طبیب، بڑے افسانہ نگار، منفرد ادیب اور عظیم انسان ہونے کے ساتھ ساتھ درجہ استناد کو پہنچے ہوئے مؤرخ بھی ہیں۔ طبیب اور افسانہ نگار کی حیثیت سے ان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں رہی۔ تاہم اہل نظر بخوبی جانتے ہیں کہ وہ ایک کامیاب مؤرخ بھی ہیں...... مؤرخ کی شخصیت کے جوہر انتخاب تحلیل و تجزیہ واقعات ترتیب اور انہیں دلکش انداز میں پیش کرتے وقت کھلتے ہیں۔ اس کتاب سے کوثر صاحب کی مورخانہ بصیرت، ذوق انتخاب اور سلجھے ہوئے انداز نظر کا پتہ چلتا ہے"۔

کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حکیم اجمل خاں کے خاندان پر پوری دیانت داری کے ساتھ تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے بلکہ تاریخی بنیاد پر چند معروضات کو بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ رد کیا گیا ہے اور چند ایسے نئے لیکن ٹھوس نظریے شامل کئے گئے ہیں جو اب تک عوام تو عوام خواص کی نظر سے بھی اوجھل تھے"۔

تبصروں میں بعض جگہ شفقت اعظمی نے مصنفین کی گرفت بھی کی ہے اور ان کی اغلاط کی نشاندہی ضروری سمجھی ہے۔ حکیم سید کمال الدین کی کتاب تشریح الاحشاء کے تبصرہ میں انہوں نے لکھا ہے "بعض مقامات پر بڑی تشنگی کا احساس ہوتا ہے مثلاً صفحہ ۲۲۴ تا ۲۲۹ پر سطحوں کے تذکرہ کے ساتھ فرجات کبد وارتباط کبد کا تذکرہ بالترتیب ضروری ہے۔ مثلاً فرجہ طولیہ، فرجہ البرنخ، فرجہ مستعرضہ، مدورہ اور فرجہ اجوف۔

باب الکبد کا دوسرا نام فرجہ مستعرضہ ہے، اسی طرح شق برائے رباط وریدی ہی دراصل فرجہ البرنخ یا فرجہ مجری وریدی ہے۔ لیکن انہیں مربوط اور مکمل لکھنا چاہیے یا وضاحت کر دینی چاہیے تاکہ طالب علم کو تشنگی کا احساس نہ ہو۔ نصابی کتاب میں اس طرح کی کمی بہر حال کھٹکتی ہے۔

ترجمہ کی ستم ظریفیاں ملاحظہ کیجئے:

صفحہ ۱۴۱ پر Hilus of Kidney کے لئے ناف الکلیہ اور صفحہ ۱۴۴ پر Hilus ناف کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جب کہ نافچہ (چھوٹی ناف) کا استعمال زیادہ موزوں ہے۔ بعض جگہ بھرتی کی انگریزی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جو اردو کتاب کے شایان شان بالکل نہیں ہیں، مثلاً صفحہ ۱۴۶، سطر ۴، ۵ پر قلب کا بایاں بطن لکھ دینا کافی تھا، یہ کوئی غیر مانوس اصطلاح نہیں۔ صفحہ ۱۷۴، سطر ۲۲ ظاہری غشاء القلب یا لیفی غشاء القلب تحریر ہے، حالانکہ اس کے بجائے ظاہری یا لیفی غشاء القلب کافی تھا تکرار کی ضرورت نہیں تھی۔

کہیں فارسی ترکیب ہے تو کہیں عربی۔ عدم یکسانیت کے سبب مبتدیوں کو دشواریوں کا سامنا ہوسکتا ہے۔ صفحہ ۱۵۰ پر قلب کا وزن گرام میں کافی تھا۔ تولہ میں توضیح مطلق ضروری نہ تھی، صفحہ ۱۶۲ پر Cardiac Nerves and impulses کا ترجمہ اعصاب قلب اور قلبی تحریک لکھا ہے جب کہ صحیح ترجمہ قلبی اعصاب وتحریکات ہے۔ صفحہ ۱۶۳ پر Heart block کی اردو اصطلاح سقوط قلب بالکل غلط ہے۔ صحیح ترجمانی "انسداد قلب" سے ہوتی ہے۔ سقوط قلب

تو Heart Failure کے لئے مستعمل ہے۔ صفحہ ۱۶۴ پر عمومی دوران یا دورۂ عمومی کے لئے ''دورہ جسمانیہ'' کتنی مضحکہ خیز اصطلاح ہے۔ عمومی یعنی نظامی کی اصطلاح Systematic نہیں بلکہ Systemic ہے''۔

شفقت اعظمی کے ان تبصروں کے ذریعہ گزشتہ تین دہائیوں میں لکھی گئیں طب کی ۵۱ کتابوں مع رسائل کا تعارف بیک وقت سامنے آتا ہے۔ انہوں نے اچھا کیا کہ ان تبصروں کو جو بکھرے ہوئے تھے، کتابی شکل میں محفوظ کرنے کا اہتمام کیا اور طب کے مختلف موضوعات پر لکھی گئی بہت سی کتابوں کے بارے میں وہ اطلاعات فراہم کردیں، جو آسانی سے میسر نہیں ہوسکتی تھیں۔ اس مجموعہ میں راقم سطور کی تین کتابیں رسالہ جودیہ، سفرنامہ بنگلہ دیش اور ایران نامہ شامل ہیں۔ علاوہ بریں حکیم سید الرحمٰن - حیات و خدمات پر بھی جامع تبصرہ کیا گیا ہے۔ دیگر کتابوں میں طبی کونسل کی مطبوعات کامل الصناعہ علی بن عباس مجوسی، کتاب العمدۃ فی الجراحۃ (اول و دوم) ابن القف، کتاب الکلیات ابن رشد، المعالجات البقراطیہ ابوالحسن احمد طبری، کیمیائے عناصری اردو ترجمہ قرابادین قادری کے علاوہ حکیم اجمل خاں از کوثر چاند پوری، بیت الحکمت کی طبی خدمات حکیم وسیم احمد اعظمی، عبد مامون کی طبی و فلسفیانہ کتب کے تراجم ڈاکٹر عشرت اللہ خاں، اطبا اور ان کی مسیحائی حکیم محمد مختار اصلاحی، عظمت رازی رضی الاسلام ندوی، تاریخ طب و اخلاقیات حکیم اشہر قدیر وغیرہ ہیں۔

ان تبصروں کی مجموعی اشاعت سے پہلے مجھے شفقت اعظمی کے قلم سے نکلے اتنے بہت سے تبصروں کا اندازہ نہیں تھا۔ امید ہے یہ تبصرے جو محنت اور مطالعہ کے بعد لکھے گئے ہیں دلچسپی اور شوق سے پڑھے جائیں گے۔

سید ظل الرحمٰن

ابن سینا اکاڈمی

۱۷ جون ۲۰۱۰ء

آغازِ سخن

ادبی اور نیم ادبی کتابوں پر تبصروں کے بعد جب میں نے روئے قلم طبی کتب کی طرف موڑا تو یہ موضوع بھی میری طبی ادبی سرگرمیوں کا محور بن گیا اور بالآخر طبی تبصروں کی معتد بہ تعداد کے پیش نظر حکیم وسیم احمد اعظمی نے نہ صرف مطبوعہ تبصروں کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کرنے کا مخلصانہ مشورہ دیا، بلکہ جلد از جلد منصہ شہود پر لانے کا اصرار بھی کرتے رہے اور آج نتیجہ آپ کے سامنے ہے، دراصل اس کا نام یعنی "طبی تبصرے" بھی موصوف ہی کا نتیجۂ فکر ہے۔ اس سلسلے میں ان کی والہانہ توجہ کو درجۂ استحسان حاصل ہے۔ فجزاھم اللّٰہ جزاءً خیراً۔

یہ سطریں لکھتے وقت شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی کا درج ذیل شعر بے ساختہ یاد آ گیا۔

رحم اے نقادِ فن یہ کیا ستم کرتا ہے تو ۔۔۔ کوئی نوکِ خار سے چھیلتا ہے تخمِ رنگ و بو

بلاشبہ ہر ادیب اور مصنف کی یہ اولیں تمنا اور کوشش ہونی چاہیے کہ اس کی تحریریں ادب میں اعلیٰ مقام حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ جن تحریروں میں ادیب کا خون جگر شامل ہوتا ہے، اس کے جذبات کو نقادِ فن کے تبصروں سے ٹھیس پہنچنا فطری امر ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر ان تبصروں کی روشنی میں ہم اپنی تحریروں پر نظر ثانی کرتے رہیں تو ان میں لازماً نکھار بھی پیدا ہوتا رہے گا۔ یہی حال معروضی اندازِ گفتگو کا بھی ہے جسے صرف نظر کر کے وقیع ادب بالخصوص طبی دنیا میں معرضِ وجود میں نہیں آ سکتا۔ تاہم منصفانہ تبصرے کے دوران مبصر کے پیش نظر تخلیقی سرگرمیوں کی ضرر رسانی کے بجائے ادبی معاشرے کے ذوق کی تربیت ہونی چاہیے۔

مصنف کی اگر کہیں فنی گرفت ہوتی ہے تو اس سے دل برداشتہ ہونے کے بجائے خود احتسابی کی عادت ڈالنی چاہیے اور عربی کا یہ مقولہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے:

"من صَنَّفَ فَقَد اِستَہدَفَ" (جس نے کتاب لکھی نشانۂ ملامت بنا) — یا۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں ۔۔۔ وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

میں نے تبصروں میں تخلیقات کے محاسن اجاگر کرنے اور ستائش کی ممکنہ سعی کی ہے، تاہم دوسرے پہلو کی نشاندہی سے بھی گریز نہیں کیا ہے، کیونکہ اس کے بغیر نقد و نظر کا تقاضا ہی پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ درحقیقت صالح تنقید ادبی روایات کے ارتقا کی ضامن ہوتی ہے۔ جس ادب میں تنقید کی روایت موجود ہوتی ہے، ترقی کی طرف مسلسل گامزن رہتا ہے۔ یہ تبصرے کسی کی خوشنودی یا ناراضگی کے جذبہ سے بالاتر ہو کر لکھے گئے ہیں، میں ادب میں جبر کا

قائل نہیں ہوں، جو حقیقت میں ادب کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ میرے پیش نظر ہمیشہ یہ حقیقت رہی ہے کہ سود و زیاں کی پروا کیے بغیر اپنے خیالات کا اظہار کیا جائے، تاکہ اچھے اور ابھرتے ہوئے ارباب قلم کے جذبہ تصنیف و تالیف کی مناسب داد مل سکے، بھرپور حوصلہ افزائی ہو سکے اور اگر کوئی کمی ہو تو اس کی طرف توجہ مبذول ہو سکے۔ ان تبصروں سے مجھے بھی خود احتسابی کی عادت سی پڑ گئی ہے، کیونکہ میری تحریریں بھی تنقید سے بہر حال بالاتر نہیں ہیں۔ معیاری تبصروں کا ہمیشہ خیر مقدم اور ان سے اکتساب فیض کیا ہے۔

ادب اور تنقید میں بالعموم اور طبی ادب میں بالخصوص اختلاف رائے فال نیک ہے، جس سے اس کے روشن مستقبل کی پیش قیاسی کی جا سکتی ہے۔

مختلف اصناف طب مثلاً تاریخ طب، اخلاقیات، مبادیات طب تشریح و منافع، ادویہ مفردہ، ادویہ مرکبہ، معالجات اور کلیات وغیرہ پر لکھی گئی کتابوں پر تبصروں کے علاوہ بعض ایسی کتابوں پر تبصرے بھی شامل کیے گئے ہیں جو بادی النظر میں غیر طبی معلوم ہوتی ہیں، تاہم بہ نظر غائر دیکھنے پر طب یونانی سے ان کا باہمی رشتہ استوار نظر آئے گا۔

زیر تبصرہ کتابوں کے لکھنے والوں میں بعض معروف اہل قلم شامل ہیں تو بعض غیر معروف بھی ہیں۔ بعض ایک دو کتابیں لکھ کر خاموش ہو گئے ہیں اور بعض کا راہوار قلم اب بھی برسر تحریر اور سرگرم تحقیق ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اول الذکر کے پیش نظر وقتی مصالح رہے ہوں گے چنانچہ مجوزہ مقصد کے حصول کے بعد ان کا قلم دائمی تعطل کا شکار ہو کر رہ گیا، لیکن موخر الذکر سے مستقبل میں بڑی امیدیں وابستہ ہیں، جو کسی ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا کے بغیر تصنیف و تالیف میں مصروف ہیں۔ خدا کرے کہ ان کے پرورش لوح و قلم کے نتیجے میں طبی ادب کے ذخیرے میں اسی رفتار سے گرانقدر اضافہ ہوتا رہے۔ آمین

میں ممنون کرم ہوں پروفیسر حکیم سید ظل الرحمن کا، جنہوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوصف اس کتاب کا مقدمہ لکھنے کی زحمت گوارہ فرمائی۔ اسی طرح حکیم سید غلام مہدی بھی میرے دلی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس مجموعہ پر اپنی گرانقدر رائے سے نواز کر ذرہ نوازی کا بھرپور ثبوت دیا۔

بڑی ناسپاس گزاری ہوگی اگر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ، ڈائرکٹر NCPUL کا شکریہ نہ ادا کیا جائے، جن کے مخلصانہ مالی تعاون کے بدولت یہ کتاب بآسانی اور جلد منظر عام پر آ گئی۔

نئی دہلی: یکم مئی ۲۰۱۰ — شفقت اعظمی

رسالہ جودیہ

تصنیف : شیخ الرئیس بوعلی سینا

مترجم و محشی : حکیم سید ظل الرحمٰن

ضخامت : ۲۱۰ صفحات

ناشر : لٹریری ریسرچ یونٹ، اجمل خاں طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ-۲۰۰۲ء

(سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان انڈین میڈیسن اینڈ ہومیوپیتھی، نئی دہلی)

سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان انڈین میڈیسن اینڈ ہومیوپیتھی ملک کے طول و عرض میں مختلف طبی اداروں میں ریسرچ یونٹ قائم کر رہی ہے۔ اس کے سامنے ٹھوس تعمیری اور جامع منصوبے ہیں بہت سے مقامات پر کام بھی جاری ہوگیا ہے جو طب یونانی اور دیگر دیسی طبوں کے لیے بہرحال فال نیک ہے۔ اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں قائم شدہ لٹریری ریسرچ یونٹ طبیہ کالج کی دیرینہ اور ممتاز روایات برقرار رکھتے ہوئے تحقیقی، تصنیفی اور تالیفی کام شاندار اور معیاری انداز میں انجام دے رہی ہے۔ اس کی اولیں اشاعت کے طور پر رسالہ جودیہ ترجمہ با مقدمہ و حواشی از حکیم سید ظل الرحمٰن منصۂ شہود پر آئی ہے۔ یہ کتاب اردو طبی لٹریچر میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

حکیم سید ظل الرحمٰن کو آسمان طب کا بدر درخشاں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ قدرت نے موصوف کو ذہن رسا، جودت فکر، دقت نظر اور رفعت خیال سے خوب نوازا ہے۔ زمانۂ طالب علمی سے لے کر آج تک کتب و رسائل کی تسوید و تبییض میں عمر کا قیمتی حصہ صرف کیا اور آج بھی اسی انہماک اور لگن کے ساتھ تحقیقی و تالیفی کاموں میں مصروف ہیں۔ حکیم سید ظل الرحمٰن جیسے لائق و فائق سپوت پر اجمل خاں طبیہ کالج جس قدر ناز کرے کم ہے۔

رسالہ جودیہ کو سب سے پہلے ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے دریافت کیا اور سب سے پہلے طبع کرانے کا شرف بھی انہیں کو حاصل ہوا۔ اس نادر روزگار رسالہ کا محض ایک نسخہ کتب خانہ محمد مشکوٰۃ، تہران میں موجود ہے اور تلاش بسیار کے باوجود دوسرا نسخہ کہیں نہ مل سکا، حالانکہ حکیم سید ظل الرحمن نے اردو ترجمہ پر کام کے دوران مشاہیر وقت مثلاً ڈاکٹر سائرل الگوڈ وغیرہ اور رائل کالج آف فزیشین، لندن وغیرہ سے برابر رابطہ قائم رکھا، لیکن اس کے دوسرے نسخے کا سراغ اخیر تک نہ ملنے کے سبب مذکورہ نسخہ ہی کو معتبر قرار دے کر کام کیا ہے۔

اگر چہ ایرانی علما، اسے شیخ کی طرف منسوب کرنے میں تامل کرتے ہیں، تاہم مرتب کی کوشش اور جدوجہد کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے بڑی عرق ریزی سے اس پر کام کرکے اور ظن قوی کی بنا، پر اسے شیخ کی تصنیف ثابت کیا ہے۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد، صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی کے مختصر لیکن جامع تعارف کے بعد مرتب نے ایک مبسوط مقدمہ پیش کیا ہے، جس میں ابن سینا کی حیات، تصانیف، طبی کارناموں، رسالہ جودیہ کی وجہ تسمیہ وغیرہ سے بھرپور بحث کی گئی ہے۔ ساتھ ساتھ ہندوستان میں موجود ابن سینا کے طبی مخطوطات کا تذکرہ بھی ہے۔ ان دو نادر نسخوں کا ذکر کیا گیا ہے جو حکیم صاحب کے بیان کے مطابق ہندستان کے علاوہ دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے۔ مقدمہ پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسے بڑی محنت اور تحقیق وجستجو کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس سے مرتب کی علمی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

مقدمہ کے بعد رسالہ جودیہ کا اصل فارسی متن، اس کے بعد اس کا سلیس اردو ترجمہ، پھر حواشی و تعلیقات سامنے آتے ہیں۔ حواشی کے بعد مآخذ ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرتب نے دنیا کی معیاری اور بلند پایہ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کتب سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔ آخر میں اشاریہ (انڈیکس) ہے۔ جس سے کتاب مکمل طور سے اپ ٹو ڈیٹ اور مفید بن گئی ہے۔

تحقیق و تجربہ ہر دور میں ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ طب یونانی میں یقیناً درمیان میں قدرے تعطل اور جمود طاری ہوگیا تھا، لیکن مقام مسرت ہے کہ وہ عبوری دور رخصت ہوگیا اور اب

تحقیق وتالیف کا رجحان پھر سے بیدار ہوگیا ہے، جس سے اس فن کو نفع پہنچنے کی قوی امید ہے۔ تحقیق وتنقید سے فن میں نکھار پیدا ہوتا ہے، نئی نئی شاہراہیں کھلتی ہیں۔ حکیم سید ظل الرحمٰن نے بھی عام روش سے ہٹ کر کام کیا ہے اور اپنی ایک جدا راہ نکالی ہے۔ کتاب کی ترتیب وتہذیب کے فرائض بھی کمال ذمہ داری کے ساتھ انجام دیے گئے ہیں۔

حواشی میں لائق مرتب نے شیخ کی بیان کردہ ادویہ کے افعال وخواص اور فوائد کی توثیق علم الادویہ اور معالجات کی مستند کتب سے کی ہے، جس سے اس کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے، اس طرح ان لوگوں کے خیال کی تردید بھی ہوتی ہے، جو اسے شیخ کی تصنیف تسلیم کرنے میں تامل محسوس کرتے ہیں۔

طب یونانی میں مفردات سے علاج بڑی قابلیت کی دلیل تصور کیا جاتا ہے، رسالہ جودیہ علاج بالمفردات پر مشتمل ہے اور فاضل مرتب نے حواشی کو بھی مفردات ہی سے مزین کیا ہے، جس میں اسلاف کے مجربات بڑی تلاش وجستجو کے بعد پوری دیانت داری کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ اس طرح نہ صرف اس کی علمی بلکہ فنی اور عملی افادیت میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ یہ کتاب عام اطباء اور فن کے قدر دانوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے اور عملی میدان میں بھی اس سے پورے اعتماد کے ساتھ استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

اسلوب نگارش نہایت صاف شستہ اور دل کش ہے، تحقیق کی خشکی کہیں رونما نہیں ہوتی، بلکہ زبان کی چاشنی سے یک گونہ جاذبیت پیدا ہوگئی ہے۔

پروف ریڈنگ اگرچہ پوری توجہ سے کی گئی ہے تاہم بعض مقامات پر کتابت کی غلطیاں اب بھی کھٹکتی ہیں۔ امید کہ طبع ثانی کے وقت انہیں درست کرلیا جائے گا۔

بحیثیت مجموعی حکیم صاحب کی یہ کوشش ہر طرح سے لائق ستائش ہے اور فن کو مستقبل میں ان سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔

(پندرہ روزہ ہمدرد، دہلی، ۱۵ نومبر ۱۹۷۳ء)

●●●

حکیم اجمل خاں

مولف : حکیم کوثر چاند پوری
ضخامت : ۲۲۴ صفحات
قیمت : ۶ روپے
ناشر : نسیم بکڈپو، لاٹوش روڈ لکھنؤ

کوثر چاند پوری ایک ایسی جامع شخصیت کا نام ہے جس کے کئی روشن پہلو عوام اور اہل نظر کے سامنے آچکے ہیں۔ موصوف ایک کامیاب حکیم، بڑے افسانہ نگار، منفرد ادیب اور عظیم انسان ہونے کے ساتھ ساتھ درجۂ استناد کو پہنچے ہوئے مورخ بھی ہیں۔ طبیب اور افسانہ نگار کی حیثیت سے تو ان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں رہی۔ اہل نظر بخوبی جانتے ہیں کہ وہ ایک کامیاب مورخ بھی ہیں۔ چنانچہ اس سے پیشتر موصوف کی تاریخی تصانیف مثلاً "اطبائے عہد مغلیہ"، "محمد بیرم خان ترکمان" اور "جام جم" شائع ہو کر شہرت دوام اور عالمی سطح پر داد و تحسین بھی حاصل کر چکی ہیں۔

مورخ کی شخصیت کے جوہر انتخاب، تحلیل و تجزیہ، واقعات کی ترتیب اور انہیں دل کش انداز میں پیش کرتے وقت کھلتے ہیں۔ اس کتاب سے کوثر صاحب کی مورخانہ بصیرت، ذوق انتخاب اور سلجھے ہوئے انداز فکر کا پتہ چلتا ہے۔

حکیم اجمل خاں کا دور کیا علمی اور کیا روحانی اور سیاسی، ہر حیثیت سے ایک زریں دور کہلانے کا مستحق ہے۔ جس خاندان کے افراد نے رشد و ہدایت اور تبلیغ و اشاعت کے فرائض بغداد، سمرقند، تاشقند، ہرات اور ماوراء النہر کے علاقوں میں پورے خلوص و تندہی کے ساتھ انجام دیئے، اس کے ایک فخر خاندان اور روشن آفتاب کا نام حکیم اجمل خاں ہے۔ لہٰذا نہ صرف

حکیم اجمل خاں کی شخصیت بلکہ ان کا پورا خاندان (جہاں تک تاریخی سلسلہ مل سکے) اس قابل ہے کہ اس کا تذکرہ تاریخی حیثیت سے محفوظ کر دیا جائے۔

حکیم اجمل خاں کی زندگی پر اب تک بہت کام ہو چکا ہے، جو اچھا بھی ہے اور برا بھی۔ اچھا اس لیے کہ ان کی کوشش تاریکی میں منزل تک پہنچنے کا ایک عزم ہے اور کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہر حال بہتر ہے اور برا اس لیے کہ اس موضوع پر اشاعت پذیر لٹریچر میں تاریخی بصیرت کا بڑا فقدان ہے۔ کیونکہ اس موضوع پر کام کرنے والوں نے بڑی تن آسانی کا ثبوت دیا ہے۔ جو ایک مورخ کے شایانِ شان ہر گز نہیں۔ اس کتاب میں کوثر چاند پوری کی جدت طرازی نمایاں طور پر موجود ہے۔ چنانچہ موصوف نے زیادہ تر انہیں گوشوں کو تاریکی سے اجالے میں لانے کی سعی فرمائی ہے جو عام طور سے کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔ چونکہ ان کی شخصیت اور فنی کارناموں پر پہلے ہی بہت زیادہ خامہ فرسائی کی جا چکی ہے لہٰذا ان کا اعادہ غالباً مولف ممدوح نے تحصیل حاصل سمجھا۔ لیکن حکیم اجمل خاں کے مورخین نے ان کے خاندان کے بارے میں کچھ نہیں لکھا لہٰذا اس کتاب میں نہ صرف حکیم اجمل خاں کے خاندان پر پوری دیانت داری کے ساتھ تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے بلکہ تاریخی بنیاد پر چند معروضات کو بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ رد کیا گیا ہے اور چند ایسے نئے لیکن ٹھوس نظریے شامل کیے گئے ہیں جو اب تک عوام تو عوام خواص کی نظر سے بھی اوجھل تھے۔

زندگی میں کسی شخصیت پر لکھا گیا خاکہ یا شخصیت نگاری بہر نوع مکمل نہیں قرار دی جا سکتی کیونکہ اس میں شعوری یا غیر شعوری طور پر مبالغہ اور تلبیس کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے، اس کی زندگی کے بعض اہم گوشے نہ صرف نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں بلکہ حقائق بھی روپوش ہو جاتے ہیں۔ اس کمزوری سے قاضی عبدالغفار جیسے اہل قلم بھی دامن نہ بچا سکے۔ کوثر چاند پوری انتہائے عقیدت اور غلو کی خرابیوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اسی لیے انہوں نے واقعات کے انتخاب میں کمال احتیاط اور دیدہ ریزی سے کام لے کر پوری بے باک نگاری کے ساتھ نہ صرف آغاز سے انجام تک مربوط رہنے والی حیاتِ اجمل کی زنجیر کی وہ چند سنہری لیکن گم شدہ کڑیاں مکمل بلکہ زنگ سے

صاف کیا، جن کے بغیر "حیاتِ اجمل" کسی طرح مکمل نہیں کہی جا سکتی تھی۔

خاندانی کڑیوں کو مربوط کرنے کے بعد حکیم اجمل خاں کی سیاسی، ملکی و ملی خدمات پر محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ عربی، فارسی اردو اور انگریزی زبان دانی کے علاوہ منطق، فلسفہ، ادب، طبعیات، حدیث و تفسیر وغیرہ پر ان کی دستگاہ کامل کے ساتھ طبی حیثیت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ اس مختصر لیکن پُر مغز تبصرے میں فنی بلندی اس طرح بیان کی گئی ہے:

"نگاہ کافی بلند تھی۔ ہر لحہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ اس جذبے نے انہیں اعلیٰ درجہ کا محقق، علم دوست، حاذق طبیب بنا دیا۔ وہ اپنے فن میں بہت سے گوشوں میں اصلاح کی ضرورت محسوس کرتے تھے، ہمیشہ یہی آرزو رہتی تھی کہ نئے علمی تقاضوں اور جدید انکشافات کے پیش نظر طب قدیم کو خامیوں سے پاک کر کے ارتقاء پذیر سماج کی سطح پر لے آئیں۔ (صفحہ ۱۴۵)"

آگے چل کر مدرسہ طبیہ کے نصاب کو زمانے کے مطابق بنانا، دوا سازی کے پرانے اور فرسودہ طریقوں کو خیر باد کہہ کر جدید ترین انکشافات میں دلچسپی لینا اور نہ صرف ہندوستانی دواخانہ کو ترقی دینا بلکہ مدرسہ طبیہ کی قدیم عمارت کو بڑھتی ہوئی ضروریات کے لیے ناکافی سمجھ کر قرولباغ جیسی جگہ پر قیمتی زمین کا ایک بڑا رقبہ خرید کر لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل سے طبیہ کالج کا سنگ بنیاد نصب کرانا، کالج کے نظام میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے بورڈ آف ٹرسٹیز بنانا اور عوام میں اسے مقبول بنانے کے لیے ۱۹۰۶ء میں طبی کانفرنس کا قیام عمل میں لانا نیز پہلے طبیب کی حیثیت سے دیسی طب کو فروغ دینے کے لیے انگلستان و دیگر ترقی یافتہ ممالک میں جا کر طب کی ترقیوں کا بہ نظر غائر مشاہدہ کرنا وغیرہ جیسے بے شمار طبی اور فنی کارناموں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جن سے فن طب کے ہونہار سپوت کی حیثیت سے حکیم اجمل خاں کی شخصیت ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔

حکیم اجمل خاں فن کے جلا و بقا کے لیے اپنے دل میں جو جذبۂ بیتاب رکھتے تھے اس کا کسی قدر اندازہ موصوف کی اس تقریر سے ہوتا ہے جو مرحوم کی زیر صدارت منعقد ہونے والی آخری آل انڈیا ویدک اینڈ یونانی کانفرنس رام پور میں اپریل ۱۹۲۷ء کو منعقد کی گئی، ملاحظہ فرمائیے:

"اپنی زندگی کا بہترین حصہ فن طب کی خدمت میں صرف کر کے اس کی بنیاد قائم کر دی ہے۔
اب آئندہ آپ لوگوں کا یہ فرض ہے کہ اس مستحکم بنیاد پر عمارت بنا کر ہمیشہ کے لیے اس کو قائم رکھیں اور اس کی ترقی کے ذرائع پیدا کریں"۔ (ص ۱۲۶)

مقام مسرت ہے کہ اس عظیم الشان فن کے عصری علمبردار عالیجناب حکیم عبدالحمید متولی ہمدرد دواخانہ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی فن کی ترقی کے لیے وقف کر دی ہے اور اپنی انتھک اور بے مثال کوششوں سے نہ صرف حکیم اجمل خاں مرحوم کے مشن کو آگے بڑھایا بلکہ اس فن کو نشاۃ ثانیہ سے ہمکنار فرمایا اور دنیا میں اس کو سائنٹفک انداز میں متعارف فرمایا۔ ہمدرد دواخانہ میں جدید سائنٹفک انداز میں یونانی ادویات کی تیاری، ہمدرد ریسرچ کلینک اینڈ نرسنگ ہوم، آصف علی روڈ میں جدید و قدیم انداز میں علاج معالجہ اور عالمی شہرت یافتہ انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن اینڈ میڈیکل ریسرچ تغلق آباد، نئی دہلی کی تعمیر اور اس میں دیسی دواؤں پر نئے انداز میں ریسرچ وغیرہ جیسے مہتم بالشان کارناموں کے علاوہ دیگر نوع بنوع علمی وفنی، دینی اور ادبی ثقافتی کارنامے بھی ہیں۔ انہیں مستقبل کا مورخ جب زیب داستاں بنائے گا تو دنیا کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ خداوند رب العزت فن عزیز کے اس مایہ ناز اور عہد ساز فرزند کو عمر خضر عطا فرمائے تاکہ وہ مجوزہ پروگرام کے مطابق ان اداروں کو بام عروج پر پہنچا سکیں۔

حکیم اجمل خاں کے خاندانی حالات کی طرح ان سے منسوب چند طبی معجزے بھی محض یادداشتوں کے سہارے ان کے سابق مصنفین نے مرتب کیے ہیں۔ اس کا کوئی گوشہ بھی تاریخی شہادت سے مملو نہیں۔ بلکہ یہ دستاویزات جابجا تاریخ کی تکذیب کرتی نظر آتی ہیں لہٰذا ان معجزوں کے بیان سے کوثر چاند پوری نے حتی الامکان احتراز کیا ہے کیونکہ وہ اپنی تحقیق میں قیاس آرائیوں اور مفروضات کے بجائے شہادتوں اور تاریخی مرقومات کو اہمیت دیتے ہیں، تاکہ تاریخی نتائج بہت واضح اور ژولیدگی سے پاک ہو کر سامنے آجائیں۔ تاہم کتاب کے صفحات ۱۶۰ اور ۱۶۳ پر ان دو روایتوں کو زیب داستان بنا ہی دیا ہے جنہیں حیات اجمل کے مصنف نے محض ڈاکٹر انصاری کی یادداشتوں کی بنیاد پر مرتب کیا ہے۔ انہیں تاریخی حیثیت تو نہیں دی جاسکتی۔

عہدِ رفتہ کے حوالے سے یہ جملہ مرقوم ہے: "دکن ریویو میں بوعلی سینا پر ان کے مسلسل مقالات شائع ہو چکے ہیں"۔ یہ امر وضاحت طلب ہے کیونکہ دکن ریویو میں خود مدیر نے شیخ بوعلی سینا کی شخصیت پر مسلسل مقالے سپردِ قلم کیے تھے جن میں ان کی شخصیت کے مختلف علمی و فنی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی تھی لیکن جب ان کی طبی حیثیت پر لکھنے کا وقت آیا تو فاضل مدیر نے حکیم اجمل خاں مرحوم سے درخواست کی۔ چنانچہ حکیم ممدوح نے ان کی طبی شخصیت پر بڑے فاضلانہ اور محققانہ انداز میں روشنی ڈالی۔

حکیم اجمل خاں کے کارناموں کے بعد ان کی شاعری کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حکیم اجمل خاں کی اگرچہ کوئی شاعرانہ حیثیت نہیں ہے تاہم ان کے فارسی کے بعض اشعار میں جو تاثیر، حلاوت اور رنگینی پائی جاتی ہے، قاری کے خیالات و جذبات کو ضرور متاثر کرتے ہیں جو تغزل کا خاص وصف ہے۔ انہوں نے اردو فارسی کے علاوہ عربی میں بھی کچھ اشعار نظم کیے ہیں۔ ان کا مجموعۂ کلام "دیوانِ شیدا" کے نام سے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم کی زیرِ نگرانی مطبع شرکت کاویانی، برلن سے ۱۹۲۶ء میں نہایت اہتمام کے ساتھ شائع ہوا۔ چند اشعار تفریحِ طبع کے لیے درج ذیل ہیں ۔

بریز اے پیرِ میخانہ مئے تلخم بہ پیمانہ
کہ من در وضعِ مستانہ لبے شیریں سخن دارم

....

من کہ شیدائے جمالِ دلبرانم از ازل
جام ہائے سرخوشی از دورِ آدم می زنم

....

ایلا نہ گفتم کہ دریں میکدہ تنہا باشی
بائیت سادہ و بادہ و مینا باشی

....

بجز نم ہیچ ناید از تو شبنم لیک در گلشن
بدا مانِ مرادِ گل گہر پاشیدہ گویا

غالبؔ نے کہا ہے۔

کہاں میخانہ کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

تقریباً یہی مضمون شیداؔ کے یہاں اس رنگ میں نظر آتا ہے۔

سوئے مسجد میں چلا آئے وہ میخانے سے
یوں ہوا راہ میں شیداؔ سے تصادم مجھ کو

کوثر چاند پوری کی زبان میں بڑا بانکپن ہے۔ انداز بیان بعض مقامات پر اس قدر شگفتہ اور دل کش ہے کہ وجد آ جاتا ہے۔ تاریخ کی خشکی کہیں مزاحم نہیں ہوتی۔ بحیثیت مجموعی اربابِ ذوق ونظر کے لیے یہ ایک اہم دستاویز ہے لیکن کتابت وطباعت اور کاغذ اس کی عظمت سے فروتر ہیں۔ امید کہ آئندہ اشاعت میں اس کی تلافی کر دی جائے گی۔

(ماہنامہ حسن وصحت، کلکتہ، اپریل ۱۹۷۴ء)

●●●

اطباء اور ان کی مسیحائی

مولف : حکیم محمد مختار اصلاحی
ضخامت : ۳۱۲صفحات
قیمت : ۵۰روپے
ناشر : ناظم اصلاحی یونانی طبی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بی۔ ے، دوار کاپوری، آگرہ روڈ، کرلا، بمبئی-۷۰

حکیم محمد مختار اصلاحی طبی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اصلاحی دواخانہ بمبئی کے بانی ہونے کے سبب ذہنی پرواز اور دماغی پروان کا خوب موقع ملا۔ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر (اعظم گڑھ) سے علوم شرقیہ میں فراغت کے بعد طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) سے ۱۹۳۹ء میں ڈی، آئی۔ ایم، ایس کی سند لے کر بمبئی پہنچے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فینسی محل، محمد علی روڈ میں نہایت محدود پیانے پر ایک دواخانہ کی بناڈالی، جو آج اصلاحی دواخانہ کے نام سے ملک بھر میں مشہور ہے۔

اصلاحی صاحب کی علمی وطبی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں قاضی عطاء اللہ ندوی کی معاونت سے ایک رسالہ مسمی "الحکمت" جاری کیا۔ لیکن چند نامساعد حالات کے سبب جلد ہی بند کرنا پڑا۔ پھر دواخانہ کی طرف سے ۱۹۴۶ء میں "ماہنامہ تندرستی" کا اجراء ہوا جو کچھ عرصے تک کامیابی سے چلتا رہا۔ نامساعد حالات کے باوجود بعد میں پندرہ روزہ "مسیحا" جاری کیا جو واحد خود کفیل طبی پرچہ تھا اور تقریباً ۹-۱۰ برس تک طب کی گرانقدر خدمات انجام دیتا رہا۔

مختلف سطح پر حکیم صاحب کی طبی سرگرمیاں جاری ہیں۔ طب یونانی کا فروغ ان کا مطمح نظر بن کر رہ گیا ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اس کی غرض صرف یہ تھی کہ حکیم صاحب ایک تجربہ کار طبیب ہونے کے باوجود ساتھ ساتھ ایک کہنہ مشق خوش رقم ادیب بھی ہیں۔ آپ کا اسلوب بڑا

پیارا اور تحریر میں بڑا رچاؤ ہوتا ہے۔ طب جیسے خشک موضوع پر بھی آپ کے رشحاتِ قلم موتی بکھیرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اگست ۱۹۷۳ء سے اردو "ہفتہ وار بلٹز" بمبئی میں "اطباء اور ان کی مسیحائی" کے زیرِ عنوان آپ کا اشہبِ قلم دلچسپ معلومات کے خزینے بکھیرتا رہا اور یہ سلسلہ کم و بیش دو سال تک جاری رہا۔ اس دوران بقراط سے لے کر حکیم عبدالحمید اور حکیم محمد سعید تک چیدہ چیدہ اطباء اور ان کے منتخب کارناموں پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالی گئی۔ زیرِ تبصرہ کتاب دراصل انہیں بکھرے ہوئے شہ پاروں کی دلکش شیرازہ بندی ہے۔ اس کتاب میں حسبِ ذیل اطباء پر گفتگو کی گئی ہے:

بقراط، افلاطون، ارسطو، حارث بن کلدہ، بختیشوع، ابو سعید حرانی، طبری، رازی، ابن سینا، زہراوی، حکیم گیلانی، حکیم علیم الدین انصاری، حکیم داؤد ایرانی، حاذق خاں، حکیم محمد شریف، حکیم محمود خاں دہلوی، حکیم عبدالمجید خاں، مسیح الملک، حکیم محمد اکبر خاں، حکیم محمد احمد خاں، حکیم غلام کبریا خاں، حکیم محمد ظفر خاں، حکیم محمد مرتعش، حکیم محمد یعقوب لکھنوی، حکیم محمد ابراہیم، حکیم محمد اسمٰعیل لکھنوی، حکیم حافظ عبدالعلی، حکیم عبدالعزیز، حکیم عبدالرشید لکھنوی، حکیم عبدالحمید لکھنوی، حکیم عبدالمعید لکھنوی، حکیم نورالدین بھروئی، حکیم عرفات احمد ٹونکی، حکیم احمد حسین الٰہ آبادی، حکیم نابینا، حکیم فقیر محمد چشتی، حکیم مولانا سعید، عبدالحئی حسنی، حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی، حکیم قاضی سید کرم حسین، حکیم سید فرید احمد عباسی، حکیم محمد الیاس خاں، شفاء الملک حکیم احمد عثمانی الٰہ آبادی، حکیم کبیر الدین، حکیم محمد حسن قرشی، حکیم خواجہ شمس الدین، حکیم حافظ جلیل احمد انصاری، حکیم بہاری لال خار، حکیم رام لبھایا، حکیم حاجی عبدالحمید دہلوی، حکیم حافظ محمد سعید۔

صفحہ ۲۸۰ تا ۳۰۱ "مسیحا" اور "مدیرِ مسیحا" کی طبی خدمات کے بارے میں ملک کے مقتدر اہلِ قلم اور صفِ اول کے اطباء کی تحریریں مجتمع کی گئی ہیں، جس سے مصنف کی طبی خدمات بالعموم اور ادبی و علمی خدمات بالخصوص اربابِ نظر کے سامنے آجاتی ہیں۔ بعد میں طبیہ کالجوں کے فرزندوں کے نام ایک تازہ پیغام ہے اور اطباءِ کرام سے عمومی خطاب بھی۔

غرض کہ گلہائے رنگارنگ سے اس کتاب کی تزئین کی گئی ہے، جس کے سبب تاریخی، علمی، فنی

اور عام معلوماتی موضوعات پر ایک اہم دستاویز بن گئی ہے۔ جس میں تنوع بھی ہے اور زبان کی چاشنی بھی۔ مستقبل کا مورخ جب بھی اس طرح کے موضوعات پر قلم اٹھائے گا، "اطباء اور ان کی مسیحائی" سے بھرپور استفادہ اس کی تحریر کو آب دار بنا دے گا۔ کاغذ عمدہ اور کتابت و طباعت دیدہ زیب ہے۔

امید کہ زیر تبصرہ کتاب کو علمی، فنی اور عوامی حلقوں میں قبول عام حاصل ہوگا۔

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، الہ آباد، اکتوبر-دسمبر، ۱۹۸۹ء)

●●●

LIKE US ON facebook

Tibbi Books for
Atiba Karam

بیت الحکمت کی طبّی خدمات

مولف : وسیم احمد اعظمی
اشاعت : ۱۹۸۹ء (طبع دوم)
ضخامت : ۳۶۰ صفحات
قیمت : ۴۵ روپے
ملنے کا پتہ : دارالکتاب، دیوبند [یو۔پی]
• ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ،
• ۵۸۳، شیخوپورہ کالونی، علی گنج، لکھنؤ۔۲۲۶۰۲۰
• کتاب منزل، سبزی باغ، پٹنہ۔۸۰۰۰۰۴
• مکتبہ جامعہ، اردو بازار۔ جامع مسجد۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶
• کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ اردو بازار جامع مسجد۔ دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

طب اور انسان کا ازلی رشتہ اتنی ہی بڑی حقیقت ہے جتنی بڑی خود انسانی زندگی۔ یہی وجہ ہے کہ اس فن کی طرف ہر جگہ اور ہر دور میں علم و فہم کے مطابق توجہ مبذول کی جاتی رہی ہے۔ جیسے جیسے انسانی ذہن ارتقائی منازل طے کرتا رہا دیگر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ طب کو بھی مرکز توجہ بناتا رہا۔ طب کو یونان و مصر میں خوب فروغ ملا۔

عہد عباسی سے قبل طب نے جو ترقی کی تھی اس کا سرمایہ مختلف زبانوں بالخصوص یونانی میں ہونے کے سبب عام لوگوں کی رسائی اور استفادہ تقریباً ناممکنات میں سے تھا۔ یہی چیز عربی زبان میں منتقلی کا داعیہ بنی تاکہ سرمایۂ ماضی کی بنیاد پر حسین اور فلک بوس عمارتیں تعمیر کی جاسکیں۔ اس طرح مفید اضافات کے امکانات بھی روشن ہوتے گئے۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے عہد عباسی میں "بیت الحکمت" قائم کیا گیا۔ اس ادارے نے جو شاندار کارنامے انجام دیئے انہیں

فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس اہم ادارے کے سلسلے میں تاریخ وسیر کی کتابوں میں بیش بہا مواد ضرور موجود ہے، لیکن منتشر حالت میں۔ شیرازہ بندی کا شرف حکیم وسیم احمد اعظمی کو حاصل ہوا۔ "بیت الحکمت" کی طبی خدمات کو موضوع بنا کر اس جواں سال ذی علم طبیب نے جو مخلصانہ دادِ تحقیق دی ہے، وہ قابل قدر بھی ہے اور قابل ستائش بھی۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ "بیت الحکمت" کو طب کے ایک مکتب فکر (School of Thought) کی حیثیت سے متعارف کرانے کا شرف پہلی بار اس خوش فکر مصنف کو حاصل ہوا۔

زیر تبصرہ کتاب میں طب قبل اسلام، طب کا عہد بعہد ارتقاء (بعد اسلام) جیسے موضوعات پر اجمالی روشنی ڈالنے کے بعد "بیت الحکمت" پر شرح وبسط کے ساتھ گہر افشانی کی گئی ہے۔ نقد ونظر اور ترجمہ کے معیار کے بارے میں جو جائزہ پیش کیا گیا ہے اس سے مصنف کی ژرف نگاہی کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ علاوہ بریں ایرانی، ہندوستانی اور مسلم مترجمین پر علیحدہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ مواد کی فراہمی اور ترتیب وتہذیب سے زبان وتاریخ سے بھرپور آگہی کا پتہ چلتا ہے۔

ص ۸۳-۸۶ پر ترجمہ کی تکنیک کا جو معیار پیش کیا گیا ہے، اہل علم ودانش کے لیے انتہائی قابل قدر اور فکر انگیز ہے۔ اگر اسے معیار بنا کر ترجمہ وتالیف کا کام کیا جائے تو ترجمہ اصل سے زیادہ دلچسپ بن سکتا، جس کی متعدد مثالیں اردو زبان میں موجود ہیں۔

ترجمہ کے رہنما اصولوں کو بنیاد بنا کر "بیت الحکمت" کے تراجم کا جائزہ نہایت سائنٹی فک اور دلنشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ حقائق ومعارف کی چھان بین میں وسیم احمد اعظمی نے بڑی دقت نظر سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے اس دور کے تراجم وتالیفات میں مجموعی حیثیت سے کتابوں اور مصنفین کے نام باہم دگر خلط ملط ہونے سے ایک طرح کا ابہام پیدا ہوگیا ہے۔ علاوہ بریں مخطوطات کا معتد بہ حصہ مشرق وسطی کے کتب خانوں کی زینت ہے، جس کی فہرست بھی ہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔ اس کے باوصف مصنف نے تحقیق وتدقیق کے بعد حد ممکنہ حد تک ان شہ پاروں کی نشاندہی کی کامیاب کوشش کی ہے، جس سے اسمائے کتب اور اسمائے مصنفین کا ابہام بھی بڑی حد تک رفع ہوا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں تاریخ ہی نہیں تحقیق کی بھی شان پائی جاتی ہے۔ زبان سادہ اور سلیس ہے، جو تاریخ جیسے اہم موضوع کے لیے ناگزیر ہے۔ انداز بیان سلجھا ہوا اور متوازن ہے، جو تاریخ کا اہم ترین تقاضا ہے۔

مقدمہ حکیم سید ظل الرحمن، ڈین فیکلٹی آف یونانی میڈیسن، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے قلم کا رہین منت ہے اور کتاب کو والدین کے نام معنون کیا گیا ہے۔ جس سے مصنف کی سلامتی فکر اور سعادتمندی کی غمازی ہوتی ہے۔ مستقبل کا کوئی بھی مصنف بالخصوص اردو زبان میں جب بھی اس موضوع پر قلم اٹھائے گا، اس کتاب کو نظر انداز کرنا ممکن نہ ہوگا۔ کتابت وطباعت دیدہ زیب اور کاغذ عمدہ ہے۔ امید کہ طبی، علمی اور تحقیقی حلقوں میں طبع اول کی طرح اس ایڈیشن کو بھی قبول عام حاصل ہوگا۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، جنوری-مارچ، ۱۹۹۰ء)

•••

تذکرہ خاندان عثمانی (الٰہ آباد)

مولف : ڈاکٹر سعد عثمانی
صفحات : ۳۰۴
قیمت : ۳۰ روپے
ناشر : عثمانیہ اکیڈمی الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳

خاندانی تذکرہ محض فخر ومباہات کے نقطۂ نظر سے جائز نہیں، تاہم اگر اس خاندان کی بے لوث فنی، اقتصادی یا سیاسی خدمات ہوں اور ان خدمات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوکر پوری ملت کے افراد پر محیط ہوجائے تو بلاشبہ ان کے شاہکار کارناموں کو تاریخ کے اوراق میں محفوظ کردینا چاہیے، منجملہ دیگر فوائد کے اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ آنے والی نسلیں ان سے اکتساب فیض کرسکتی ہیں، اگر انہیں بروقت منضبط نہ کیا جائے تو مرور ایام کے ساتھ اہم تاریخی کڑیاں ماضی کے اندھیرے میں گم ہوسکتی ہیں۔

"تذکرہ خاندان عثمانی" [الٰہ آباد] ایک ایسی ہی کوشش قرار دی جاسکتی ہے، جو نقطۂ آغاز ہے، منزل نہیں۔ خاندان کے مختصر تعارف کے بعد یونانی میڈیکل کالج الٰہ آباد سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے جو دراصل عثمانی خاندان کی دین ہے۔ اس کے بعد بانیٔ ادارہ علامہ حکیم احمد حسین مرحوم کی حیات اور مختصر کارناموں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جو صفحہ ۱۹ سے شروع ہوکر صفحہ ۴۰ پر جاکر ختم ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد شفاء الملک حکیم احمد عثمانیؒ کی حیات اور کارناموں کا تذکرہ صفحہ ۲۷۵ تک پھیلا ہوا ہے، پھر دو اور درخشاں ستاروں کا تذکرہ ہے میری مراد حکیم محمد صفوان عثمانی اور حکیم حماد عثمانی سے ہے۔ موخر الذکر مولف تذکرہ کے والد ماجد اور راقم الحروف کے استاد ہیں۔ (پس نوشت: ۲۰ دسمبر ۲۰۰۰ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے)۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کتاب کا زیادہ حصہ بانیٔ کالج علامہ حکیم احمد حسین اور شفاء الملک حکیم احمد عثمانیؒ مرحوم کے لیے

وقف کیا گیا ہے۔ لیکن دیگر شخصیات بالخصوص استاذ الاساتذہ حکیم حماد عثمانی کی شخصیت اور کارناموں پر بھی بہت کچھ لکھنے کی گنجائش باقی ہے۔

کتاب میں یونانی میڈیکل کالج کا تذکرہ دو مقامات پر کیا گیا ہے جو بہر حال تحسن گسترانہ طرز ادا ہے، اس کے علاوہ بانی کالج علامہ حکیم احمد حسین مرحوم اور ان کے بڑے صاحبزادے شفاء الملک حکیم احمد عثمانی مرحوم کے سانحۂ ارتحال اور مختلف شخصیتوں کے تعزیتی پیغامات درج کیے گئے ہیں۔ کیا ہی بہتر ہوتا کہ انہیں پیغامات کی روشنی میں ایک مبسوط مقالہ مرتب کر لیا جاتا جن میں مشاہیر کے تاثرات کو بطور اقتباس پیش کر دینا ہی کافی تھا۔

صفحہ ۱۴۵ پہ شفاء الملک حکیم احمد عثمانی مرحوم کے ملفوظات، خطبات صدارت، مختلف طبی نظریات کی تصریح اور توجیہہ بھی درج ہیں، جو اس قابل ہیں کہ ان کا مطالعہ کیا جائے۔ یونانی میڈیکل کالج الٰہ آباد کے علاوہ دیگر یونانی اداروں کی جلا و بقاء کے لیے بھی حکیم احمد عثمانی مرحوم ہمیشہ سینہ سپر رہے، چنانچہ ان واقعات کو بھی زیب داستاں بنایا گیا ہے۔ اس طرح کتاب کے مطالعہ سے طب یونانی کے فروغ کے سلسلے میں اس خانوادہ کی مساعی سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

مواد، تنوع، ترتیب و تہذیب اور زبان و بیان کے اعتبار سے کتاب کو نظر ثانی کی محتاج ہے تاہم اس کے علی الرغم تذکرہ خاندان عثمانی جیسے موضوع پر مواد کی فراہمی کم محنت اور دیدہ ریزی کی طالب نہ تھی، جسے اسی خاندان کے روشن چراغ اور جواں سال طبیب حکیم سعد عثمانی ابن حکیم حماد عثمانی سے ہی مرتب کرنے کی توقع تھی۔ چنانچہ اس کا تذکرہ پیش لفظ میں بھی موجود ہے۔

امید کہ یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز ثابت ہوگی اور اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے تاریخی حوالے کی چیز۔

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، الٰہ آباد، جنوری-مارچ، ۱۹۹۱ء)

●●●

تشریح الاحشاء

مولف : ڈاکٹر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی
اشاعت : اول، ۱۹۸۴ء
ضخامت : ۲۵۸صفحات
قیمت : ۱۹روپے ۵۰ پیسے
ناشر : ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

عصر حاضر میں طبی سائنس کا گہرا مطالعہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور اگر بغور دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ ہمارے قدیم اطباء کو اس کا بھرپور ادراک واحساس تھا، چنانچہ آج اطبائے قدیم کی فکر انگیز تحریروں کا مطالعہ کر کے جداجدا انداز میں اس کی شرح وتعبیر کا سلسلہ جاری ہو گیا ہے۔ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی کے سامنے عصری علوم کے ساتھ ساتھ طب یونانی کے اہم موضوعات پر نصابی کتابوں کی تدوین واشاعت کا عظیم الشان پروگرام ہے، تاکہ گوناگوں دشواریوں سے دوچار طلبہ کو آسانی کے ساتھ مطلوبہ اور کارآمد لٹریچر ارزاں قیمت پر میسر آسکے اور ان کی ترقی کے راستے کی رکاوٹیں دور ہو سکیں۔ زیر تبصرہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

تشریح (Anatomy) کو ہمیشہ سے علم طب (Medical Science) میں اہم ترین اور اساسی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گرانقدر تحقیقات وتفتیشات کے نتیجہ میں قیمتی اضافے ہوتے چلے گئے اور پیش رفت اب بھی جاری ہے۔ اس کے بعد نمبر آتا ہے منافع الاعضاء (Physiology) کا۔ اس سے پہلے ہمدانی صاحب کی کتاب اس موضوع پر "تشریح الہیکل" کے نام سے شائع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ تشریح الاحشاء اسی خلاصۂ تشریح کا دوسرا حصہ ہے۔ جسے طبیہ کالجوں کے طلباء کی نصابی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ تشریح ومنافع جیسے علوم اس قدر وسعت اختیار کر چکے

ہیں کہ زیرِ تبصرہ کتاب کی حیثیت شارٹ نوٹ سے زیادہ نہیں۔

احشاء جمع ہے حشوکی، اس سے مراد وہ داخلی اعضاء ہیں جو مختلف تجاویف میں واقع ہیں۔ چاہے وہ جوف دماغ ہو یا جوف صدر یا جوف شکم۔ چنانچہ احشاء جسمانی کی ضروری تشریح پر مشتمل اس کتاب میں اعضائے نفسانیہ، اعضائے حیوانیہ، اعضائے طبعیہ اور اعضائے تناسل کی تشریح مختصر مگر جامع طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حسب ضرورت خاکے اور ضروری نقشے بھی شامل کیے گئے ہیں، تاکہ عملی طور پر کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہو سکے اور امتحانی نقطۂ نظر سے مفید ثابت ہو سکے۔

کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ احشاء کا تعلق افعال الاعضاء (Physiology) سے برقرار رکھنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، تاہم مصنف کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ مذکورہ علوم کو جدا جدا مضمون کی حیثیت سے پڑھانا کالجوں میں ممکن نہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مضامین فی زمانہ علیحدہ علیحدہ ہی پڑھائے جارہے ہیں۔ دونوں میں باہمی ربط اس وقت تک سمجھ میں ہی نہیں آسکتا تاوقتیکہ دونوں علوم پر دستگاہ حاصل نہ ہو۔ البتہ یہ کہنا درست ہوگا کہ منافع کا تمام تر دارومدار تشریح پر ہوتا ہے۔

کتاب گوکہ بڑی محنت سے لکھی گئی ہے تاہم بعض مقامات پر بڑی تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ مثلاً ۲۲۴ تا ۲۲۹ پر سطحوں کے تذکرہ کے ساتھ فرجات کبد وار بطۂ کبد کا تذکرہ بالترتیب ضروری ہے۔ مثلاً فرجۂ طولیہ، فرجۂ البرنج، فرجۂ مستعرضہ، فرجۂ مدورہ اور فرجۂ اجوف۔

باب الکبد کا دوسرا نام فرجۂ مستعرضہ ہے، اسی طرح شق برائے رباط وریدی ہی دراصل فرجۂ البرنج یا فرجۂ مجریٰ وریدی ہے۔ لیکن انہیں مربوط اور مکمل لکھنا چاہیے یا وضاحت کر دینی چاہیے تاکہ طالب علم کو تشنگی کا احساس نہ ہو۔ نصابی کتاب میں اس طرح کی کمی بہر حال کھٹکتی ہے۔

ترجمہ کی ستم ظریفیاں ملاحظہ کیجئے:

ص ۱۴۱ پر Hilus of Kidney کے لیے ناف الکلیہ، ص ۱۴۴ پر Hilus ناف کے لیے استعمال کیا گیا ہے، جب کہ نافچہ (چھوٹی ناف) کا استعمال زیادہ موزوں ہے۔

بعض جگہ بھرتی کی انگریزی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جو اردو کتاب کے شایانِ شان بالکل نہیں ہیں۔ مثلاً ص ۱۳۶، س ۴، ۵، قلب کا بایاں بطن لکھ دینا کافی تھا۔ یہ کوئی غیر مانوس

اصطلاح نہیں۔ ص ۱۴۷، ص ۲۲ ظاہری غشاء القلب یا لیفی غشاء القلب، حالانکہ اس کے بجائے ظاہری یا لیفی غشاء القلب کافی تھا تکرار کی ضرورت نہیں تھی۔

کہیں فارسی ترکیب ہے تو کہیں عربی، مثلاً ص ۱۴۸، ۱۴۹ اغلاف القلب درج ہے۔ عدم یکسانیت کے سبب مبتدیوں کو دشواریوں کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ص ۱۵۰ پر قلب کا وزن گرام میں کافی تھا، تولہ میں توضیح مطلق ضروری نہ تھی۔

ص ۱۵۵ پر سفرۂ بیضویہ اور ثقبۂ بیضویہ درج ہے بیضویہ میں "و" کے زائد استعمال کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ اس کے لیے بیضہ سادہ بھی ہے، مستعمل بھی۔

ص ۱۵۷ Opening کا ترجمہ "منافذ" (واحد) (جمع) کیا گیا ہے۔ آگے پھر اسی اصطلاح کا ترجمہ مخرجہ لکھا گیا ہے جو درست ہے، منفذ درست نہیں، کیونکہ منفذ کے لیے دوسرا لفظ آتا ہے۔ فرق ملحوظ رکھنے سے تشریح و توضیح میں آسانی ہوتی ہے۔

ص ۱۶۲ Cardiac Nerves and Impulses کا اردو ترجمہ اعصاب قلب اور قلبی تحریک لکھا ہے جب کہ صحیح ترجمہ قلبی اعصاب و تحریکات ہے۔

اردو کتاب میں صرف انگریزی اصطلاح پر انحصار چہ معنی دارد، مثلاً اسی صفحہ پر آخر میں Atrial- Ventricular bundle کے لیے اردو میں "اذنی بطنی بنڈل" یا حزمہ لکھنا ضروری تھا۔

ص ۱۶۳ اس Heart Block کی اردو اصطلاح سقوط قلب بالکل غلط ہے۔ بلکہ صحیح ترجمانی "انسداد قلب" سے ہوتی ہے۔ سقوط قلب تو Heart Failure کے لیے مستعمل ہے۔ کم از کم قلب جیسے عضو رئیس کے سلسلے میں حزم و احتیاط بہت ضروری ہے۔

ص ۱۶۴ عمومی دوران خون یا دورۂ عمومی کے لیے "دورۂ جسمانیہ" کتنی مضحکہ خیز اصطلاح ہے۔ عمومی یعنی نظامی کی اصطلاح systemetic نہیں بلکہ systemic ہے۔ ممکن ہے یہ کتابت کی غلطی ہو۔ اسی طرح عمومی دوران خون کے لیے مترادفات کا استعمال بھی افادیت سے خالی نہ تھا، جو بکثرت مستعمل ہیں، علاوہ بریں اس طرح طلبہ کی معلومات میں اضافہ بھی ہوتا۔ یہ اصطلاحات بالترتیب درج ذیل ہیں:

دوران خون کبیر، Greater blood circulation، صغیر، Lesser- بیشتر اصطلاحات ثقیل اور غیر مانوس ہیں، غالباً فنی کتاب میں اس سے مفر ممکن بھی نہیں۔

کتاب کی زبان عام فہم ہے، اگر کمی ہے تو یہ کہ تشریح جیسے وسیع موضوع پر انتہائی اختصار کے ساتھ قلم اٹھایا گیا ہے اور بعض مسائل سے فاضل مصنف سرسری گزر گئے ہیں۔ اصطلاحات ثقیل ہیں جن کی فہرست اختتام کتاب پر بھی دینی چاہیے تاکہ طلبا کو سہولت ہو۔ ماخذ کا حوالہ بھی ضروری ہے۔ کتاب کا گٹ اپ نہایت شاندار ہے، روشن کتابت، عمدہ طباعت لیکن کتابت کی غلطیاں فنی کتاب میں خار کی طرح کھٹکتی ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

ص	غلط	صحیح
۱۲	تالیف جو	تالیف میں جو
۹۶	صفیرہ	صفیرہ
۱۰۹	عنبہ	عنبیہ
۱۴۰	قبصبۃ الریہ	قصبۃ الریہ
۱۷۵	اختشامی	اختتامی
۱۸۲	شریان ابطن	شریان البطن
۲۳۹	کلتین	کلیتین

یہ تو چند نمونے ہیں۔ اگر کتابت کی خامیوں کی مکمل نشاندہی کی جائے تو ایک طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے، جو ترقی اردو بیورو جیسے ادارے کے شایان شان نہیں، امید کہ آئندہ ایڈیشن میں مصنف یا اور کسی طبیب پروف ریڈر کی مدد سے مذکورہ خامیاں دور کر دی جائیں گی، اگر ایسا کیا گیا تو بلاشبہ کتاب طلبہ کے لیے ایک قیمتی تحفہ بن جائے گی۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، جنوری- مارچ ۱۹۹۲ء)

●●●

پیٹ کے کیڑے

مولف : محمد رفیق۔اے۔ایس
اشاعت : اول، ۱۹۸۷ء
ضخامت : ۷۹صفحات
قیمت : ۷روپے
ناشر : ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

ادبی شاہکار کے ساتھ ساتھ طبی اور سائنسی علوم پر معیاری کتابیں لکھوا کر ارزاں قیمت پر پیش کرنا ترقی اردو بیورو دہلی کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔زیرتبصرہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

دیدان شکم کے موضوع پر اب تک کوئی باقاعدہ کتاب انفرادی طور پر اردو زبان میں دستیاب نہیں تھی، اس لحاظ سے رفیق صاحب کی یہ کاوش قابل ستائش ہے۔کتاب مصور ہے، جس میں انسانی نظام ہضم کے علاوہ دیدان شکم کے تشریحی خاکے اور مختصر لیکن جامع معلومات جدید ترین تحقیقات کی روشنی میں پیش کی گئی ہیں۔انواع دیدان بالعموم اور کدو دانے بالخصوص موضوع بحث بنائے گئے ہیں۔

آخری باب میں ادویہ کا بیان ہے۔جب کہ چھٹا باب کتابیات وطبی مصطلحات پر مشتمل ہے۔تمام تر محاسن کے باوصف فاضل مصنف کا یہ جملہ محل نظر ہے کہ "جو کتابیں اس وقت طب یونانی سے متعلق اردو زبان میں دستیاب ہیں، ان میں جو مواد اور معلومات ہیں، وہ ناکافی اور غیر تسلی بخش ہیں"۔جب کہ یہ بات حقیقت کے منافی ہے، کیونکہ اطبائے قدیم نے ابتداء سے ہی اس کی جانب بھرپور توجہ دی ہے۔حتیٰ کہ فردوس الحکمت مصنفہ ابی الحسن علی ربن سہل ربن طبری (۷۸۰ء) میں اس موضوع پر ایک باقاعدہ باب موجود ہے جو درج ذیل ہے:

"المقالۃ التاسعہ الباب السابع فی علاج قولون وعلاج دیدان وحب القرع"۔چند سال

پیشتر اس کتاب کا اردو ترجمہ مع عربی متن ہمدرد کراچی سے بھی طبع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اس کے اظہار کی چنداں ضرورت نہیں کہ مجوسی الشیخ الرئیس نجیب الدین سمرقندی، علامہ طوسی، جرجانی اور پھر ہندوستان میں حکیم محمد اکبر ارزانی اور حکیم محمد اعظم خاں وغیرہ نے دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ دیدان امعاء پر جو کام کیا ہے، وہ گراں قدر تحقیقی سرمایہ اور معلومات کا تخزینہ ہے۔ ان میں سے بیشتر مواد اردو زبان میں برسہا برس پہلے منتقل ہو چکا ہے۔ ہندوستان میں حکیم اجمل خاں کے دور سے تجدید طب کا جو آغاز ہوا اور حکیم محمد کبیر الدین اور حکیم خواجہ رضوان وغیرہ نے تشریحات وتعلیقات سے اس میں جو گرانقدر اضافے کیے، سب اردو زبان ہی میں موجود ہے۔ کاش فاضل مصنف نے سہل ممتنع کے بجائے جرات رندانہ سے کام لیتے ہوئے اپنے گرانقدر مطالعہ کو تھوڑی سی اور وسعت دے دی ہوتی تو غالباً اس اتہام سے بآسانی بچ جاتے۔

مصنف نے آگے اس اہم نکتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ طب یونانی کی عصری مطبوعات میں توضیحی تصاویر کی افسوس ناک کمی ہے۔ دیدان شکم کی خوردبینی ساخت کے بارے میں کسی حد تک یہ بات صادق آئے تو آئے، پورے فن پر نہیں۔ کیونکہ حکیم محمد کبیرالدین اور حکیم خواجہ رضوان وغیرہ کے علاوہ موجودہ دور میں تشریح و منافع پر متعدد معیاری کتابیں شائع ہوئی ہیں، جن میں توضیحی خاکوں اور تصاویر کی بھرمار ہے۔ خود ترقی اردو بیورو کی مطبوعات امراض النساء، امراض الاطفال اور تشریح الاحشاء وغیرہ سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے، جو نہ صرف تصاویر اور خاکوں سے آراستہ ہیں بلکہ ان میں خوردبینی اور غیر خوردبینی ساختوں تک کا احاطہ کیا گیا ہے۔

فاضل مصنف نے بزعم خویش پیٹ کے کیڑوں پر ہر قسم کی قدیم وجدید معلومات شامل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن مطالعۂ کتاب کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ سارا زور دیدان شکم کے حیاتیاتی اور تشریحی بیان پر ہی صرف کیا گیا ہے۔ جس میں بلاشبہ محنت اور عرق ریزی بھی کی گئی ہے، لیکن انسانی صحت، جو کتاب کا اصل مطمح نظر ہے، پر بڑی سطحی اور اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی گئی ہے۔ یہ حصہ کتنا تشنہ ہے ملاحظہ فرمایئے:

چوتھا باب صرف تین صفحات پر مشتمل ہے جو حسب ذیل موضوعات پر چند سطری مواد فراہم کرتا ہے:

اسباب، علامات، پرہیز، تدبیر حفظ ماتقدم، غذا، احتیاط، نقصان۔

عوامی سطح پر کیڑوں کے بارے میں اتنی معلومات ضروری نہیں جتنی اس سے بچنے کی تدابیر کے بارے میں، لہٰذا ان موضوعات پر بھی کم از کم ۶۰-۵۰ صفحات لکھنے کی بہر حال ضرورت تھی اور اگر یہ کتاب معالجین کے لیے لکھی گئی ہے تو بھی کیڑوں کے بارے میں تحقیقی مواد کے ساتھ ساتھ معالجاتی حصہ پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت تھی، خواہ اس سلسلے میں کسی حکیم سے مدد کیوں نہ حاصل کرنی پڑتی۔

"نقصان" کا موضوع بھرتی کا ہے۔ اس کا مواد اسباب و علامات کے تحت مناسب پیرائے میں منطبق کر دینا کافی تھا۔

باب پنجم عنوان سے مبرا ہے، جب کہ اس کا عنوان علاج ہونا چاہیے تھا۔ یہ باب بھی تشنہ ہے۔ تین صفحات پر مشتمل اس کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

چند آزمودہ مرکبات آیورویدک، یونانی، ایلو پیتھک۔ (سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اتنی پیتھیاں لکھی گئیں تو ہومیوپیتھی کیوں نظر انداز کی گئی)

اگر یونانی دواؤں کو دو سرخیوں کے تحت تقسیم کر دیا گیا ہوتا تو زیادہ موزوں ہوتا، یعنی مخرج دیدان اور قاتل دیدان۔

ابواب کی تقسیم بھی نو آموزی کی غماز ہے۔ کتابیات کتاب کے آخر میں درج کرنا چاہیے تھا۔ باب لکھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

ترجمے کی لغزشیں ایک الگ داستان کی حیثیت رکھتی ہیں، جو فنی کتاب کے شایان شان ہرگز نہ تھیں، چند مثالیں کافی ہوں گی:

ص ۱۲اس ۱۳ آعور۔ مد کے ساتھ نہیں لکھنا چاہیے تھا۔ درست اعور ہے۔

ص ۱۶-۱۵ قولون، کو قوئن لکھا گیا ہے۔ یہ اصطلاح لاطینی سے عربی اور پھر انگریزی میں منتقل ہوئی۔ ایسی صورت میں اس کو دوبارہ معرب یا مورد کرنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے تین مختلف حصوں کا نام بیانیہ انداز میں لکھا گیا ہے جب کہ ہر ایک کے متبادلات پہلے سے موجود ہیں مثلاً:

چڑھتی ہوئی قولون (قولون صاعد)، عرضی (قولون مستعرض)، نشیبی (قولون نازل)

اس سے مصنف کے وسعت مطالعہ کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

ص ۷ اسکیانما کے بجائے "سینی" لکھنا چاہیے
ص ۱۸ وعائے مستعم کے بجائے معاء مستقیم لکھنا چاہیے۔
ص ۲۸،س ۸ بیرونی جانب کے بجائے رحم موخر
ص ۳۰ اندرونی جانب کے بجائے رحم مقدم
ص ۳۱ اقرح کے بجائے مقدم بیضہ دان یا مبیض
ص ۳۴ اندرونی بیضہ دان کے بجائے مقدم بیضہ دان
ص ۱۸ پر اور پھر نیچے اور صرف انگریزی اصطلاح لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے، حالانکہ اس کی آسان اور عام فہم اصطلاح حلق موجود تھی۔

ص ۳۱ ہوک دودے کے بجائے "دودۂ خطامی" لکھنا چاہیے تھا۔ اسی عنوان کے ذیل میں ص ۵ پر "درمیانی وسطی معاء ہونا چاہیے تھا جو "Midgut" کا ترجمہ ہے۔ اس کے بعد صرف نمبر تبدیل کر کے بے ترتیبی رفع کی جاسکتی تھی اور تعداد ۱۷ تک پہنچ جاتی کیونکہ ایک نمبر معا مستقیم چھوٹ جانے کے سبب پوری ترتیب زیر وزبر ہوگئی ہے، عین ممکن ہے یہ سہو کتابت یا غلط چسپیدگی کا نتیجہ ہو۔ اسے دوسرے ایڈیشن میں بہر حال درست کر لینا چاہیے۔ کیونکہ یہ ترتیب مبتدیوں کے لیے مغالطہ انگریز ثابت ہوگی۔

سہو کتابت اردو کی فنی کتابوں میں ایک سنگین مسئلہ بنتا جارہا ہے، اس کی طرف سنجیدگی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کا تعلق براہ راست صحت انسانی بلکہ انسانی زندگی سے ہوتا ہے۔

مجموعی طور پر کتاب اچھی کوشش کی غمازی کرتی ہے، بیشتر تسامحات علم طب پر عدم دسترس یا نارسائی کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ کتابت وطباعت روشن اور گیٹ اپ شاندار۔ امید کہ عوامی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوگی۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، جنوری۔ مارچ ۱۹۹۳ء)

●●●

اعصابِ دماغیہ

مولف : ڈاکٹر حکیم سیّد محمد عاقل

ضخامت : ۸۷ صفحات

قیمت : بیس روپے

ناشر : طبیبہ حمیدہ عاقل، لکچرر ہمدرد طبی کالج، ہمدرد نگر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۶۲

حکیم سیّد محمد عاقل اس نابغۂ روزگار شخصیت کے ہونہار فرزند ہیں، جسے حکیم انجم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ حکیم انجم مرحوم (جو دہلی کے باشندے تھے) نے طبیہ کالج علی گڑھ سے طبی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۷ء سے اے اینڈ یو طبیہ کالج سے بحیثیت استاد وابستہ رہے۔ علم طب کے علاوہ اردو، عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی زبانوں کی واقفیت نے ان کے فنی شعور کو مزید جلا بخشی۔ مرحوم کے قابل ذکر تلامذہ میں پروفیسر حکیم جمیل احمد، حکیم محمد احمد لاری اور حکیم نظر یوسفی وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔

الولد سرٌ لابیہ کے مصداق حکیم سید محمد عاقل بھی نہ صرف ہمدرد طبی کالج کے سپوت ہیں بلکہ ایم۔اے (ایڈمنسٹریشن) کی تکمیل بھی کی ہے۔ موصوف نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز اے اینڈ یو طبیہ کالج سے کیا اور ۱۹۸۴ء میں خود اپنے مادر علمی میں براہ راست سینئر لکچرر کے منصب پر فائز ہوگئے۔ تب سے مسلسل تدریسی اور تحریری کاوشوں کا سلسلہ جاری ہے۔

علم تشریح کو ابتداء ہی سے طب میں اساسی حیثیت حاصل رہی ہے اور یہ اس فن کے ساتھ کوئی احسان نہیں، بلکہ اس کی بنیادی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر طبی تعلیم کا کوئی جواز ہی نہیں رہ جاتا۔ اس موضوع پر عربی، فارسی اور اردو میں متعدد کتابیں لکھی گئیں، انگریزی زبان میں تو سیلِ رواں جاری ہوگیا ہے، نت نئی تحقیقات اس پر مستزاد۔ ایسی تیز رفتار صورت حال ہو تو اس کا

ساتھ وہی زبان دے سکتی ہے، جو اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔ اردو زبان میں اس کی کوششیں دارالترجمہ (مرحوم جامعہ عثمانیہ) سے لے کر اب تک ہوتی چلی آئی ہیں۔ اس سلسلے میں جہاں سرکاری، نیم سرکاری اور ذاتی اداروں کے کارنامے قابل ستائش ہیں، وہیں انفرادی کاوشوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اردو زبان کے فنی سرمایہ کا جب بھی تاریخ ادب اردو کی دنیا جائزہ لے گی تو بڑے اداروں کے ساتھ ساتھ چھوٹے خزف ریزوں کو بھی ضرور شمار کیا جائے گا۔

ایسی ہی ایک کوشش ہمارے جواں سال حکیم سید محمد عاقل کی بھی ہے، جو ۱۹۸۹ء میں منظر عام پر آئی ہے۔ عاقل صاحب کو تدریس کے ساتھ ساتھ تحریر کا بھی چسکا ہے اور جو کچھ لکھتے ہیں، پڑھ کر اور سمجھ کر لکھتے ہیں، علاوہ بریں تدریس کے دوران چونکہ استاد کو طلبہ کے ذہن کے اندر جھانکنے کا بھی موقع ملتا ہے۔ لہٰذا یہ بدیہی بات ہے کہ ایسا مصنف جب کسی درسی موضوع پر قلم اٹھائے گا تو نصابی ضرورت کے ساتھ ساتھ طلبہ کی نفسیات کو بھی ضرور پیش نظر رکھے گا اور اس سلسلے میں فاضل مولف کما حقہٗ عہدہ برآ ہوتے نظر آتے ہیں۔

اعصاب دماغیہ کہنے کو تو صرف ۱۲ جوڑے ہی ہیں، لیکن جب تفصیل میں جائیے تو بجلی کے تاروں کا ایک جال ملتا ہے جو پیچ در پیچ ہوتا چلا جاتا ہے۔ بجلی کے تاروں کا وہ نظام جو ایک فیکٹری ہی نہیں بلکہ پوری ایک کائنات پر کنٹرول رکھتا اور اس کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ جی ہاں انسانی جسم بجائے خود ایک مکمل کائنات ہے 'عالم صغریٰ'۔ جس کے رازہائے سربستہ میں سے معدودے چند ہی ہمیں معلوم ہوئے ہیں اور دماغ کے راز کا تو ہزارواں کیا لاکھواں حصہ بھی ہنوز منکشف نہیں ہوا ہے۔ شاید اس لیے کہ اس طرح تحقیق و تفتیش کا غیر مختتم سلسلہ جاری رہے اور انسان کا علم سکوت و جمود کا شکار ہو کر نہ رہ جائے یا شاید اس لیے کہ انسان ترفع اور تعلق کا شکار ہو کر خدا کی ناراضگی کا مستحق نہ ہو جائے۔ ہمارے فاضل مولف نے ابتداء "اعصاب دماغیہ" پر قلم اٹھا کر کی ہے۔ کیونکہ پورے نظام پر کما حقہٗ سیر حاصل بحث ایک ادارے کا کام ہے، تاہم حکیم محمد عاقل کا یہ کام بہر حال قابل ستائش ہے، امید کہ وہ رفتہ رفتہ نظام اعصاب کے دوسرے پہلوؤں پر بھی گہرافشانی کرتے ہوئے تکمیل کی طرف اپنا سفر جاری رکھیں گے اور اس طرح نہ صرف اس

موضوع پر ایک اپٹوڈیٹ اور مکمل کتاب طلبہ کو میسر آجائے گی، بلکہ اردو زبان کے سرمایہ میں بھی اضافہ ہوگا۔

زیر نظر کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے، طلبہ کی نصابی ضروریات کے پیش نظر لکھا گیا ہے۔ زبان آسان اور عام فہم ہے، حسب ضرورت خاکوں اور تصاویر سے بھی مدد لی گئی ہے۔ مواد معلومات آفریں اور انداز پیش کش دلنشیں ہے۔ کتابت و طباعت قابل ستائش ہے، تاہم بعض مقامات پر سہو کتابت طبع نازک پر گراں ضرور گزرے گا۔ گرد پوش دیدہ زیب اور معنی خیز خاکے سے مزین ہے۔ امید کہ طبی حلقوں میں اسے قبول عام حاصل ہوگا اور کتاب طلبہ کے لیے ایک انمول تحفہ ثابت ہوگی۔

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، علی آباد، اپریل-جون، ۱۹۹۳ء)

●●●

کتاب العمدہ فی الجراحت (جلداول ودوم)

مولف : امین الدولہ ابوالفرج ابن القف المسیحی
ضخامت : جلداول ۲۹۸صفحات، جلددوم ۳۱۸صفحات
قیمت : ۸۰روپے (مکمل ہردوجلد)
ناشر : سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن،
۵۔پنچشیل شاپنگ سنٹر،نئی دہلی۔۱۱۰۰۱۷

سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نئی دہلی اپنی نمایاں کارکردگی کے سبب طبی دنیا میں اب محتاج تعارف نہیں رہی۔وزارت صحت حکومت ہند کے اس خودمختارادارہ کے اہم مقاصد میں یونانی طبی طریقۂ علاج میں سائنسی اساس پر تحقیقات کی ترویج وترقی شامل ہے۔اس کے ادارے اور یونٹیں ملک کے گوشے گوشے میں مصروف تحقیق ہیں۔کلینکل ریسرچ کے علاوہ دواؤں کی معیار بندی(Drug standardisation)،دوائی پودوں کا سروے-(Survey of- Medicinal-Plants)،دواؤں کی کاشت نیز خاندانی بہبود کے تحقیقاتی پروگرام کے ساتھ ساتھ لٹریری ریسرچ بھی اس کا اہم ترین منصوبہ ہے۔

کونسل کی لٹریری ریسرچ یونٹیں علی گڑھ،لکھنؤ،پٹنہ اور حیدرآباد میں سرگرم کار تھیں،جنھیں اب ایک جگہ لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ضم کر کے دہلی میں ایک باوقارادارہ کی تشکیل کردی گئی ہے۔لٹریری ریسرچ اسکیم کے تحت اب تک کونسل نے درجنوں کتابیں ترجمہ،تالیف نیز تدوین وتطبیق کے مراحل سے گزار کر منصۂ شہود پر پیش کردی ہیں اور سلسلۂ اشاعت اب بھی جاری ہے۔ قدیم اوراہم نوادر کی دریافت اور بازیافت کے ساتھ ساتھ تحقیق وترجمہ،نصابی کتابوں کی تدوین و تالیف نیز جدید علوم کی تطبیق انسٹی ٹیوٹ کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے،جس سے مستقبل میں

بھی انتہائی حوصلہ افزا نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی کونسل کے لٹریری ریسرچ اسکیم کی ایک اہم کڑی ہے۔

کتاب العمدہ کا مصنف ابن القف ۲۲ اگست ۱۲۳۳ء کو اردن کے ایک مشہور شہر الکرک میں پیدا ہوا اور محض ۵۳ سال کی قلیل مدت حیات میں طب و جراحت کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اس کا دائرۂ عمل سریریات، جراحیات (عملیہ) منافع الاعضاء، معالجات اور قابلہ پر محیط تھا۔

کتاب العمدہ فن جراحت کی ایک نادر کتاب ہے جس میں عملیہ کے مختلف طریقوں کو بڑی وضاحت کے ساتھ روشناس اور متعارف کرایا گیا ہے۔ اس میں مختلف بیماریوں کے اسباب وعلل، طریقۂ علاج اور مختلف حالات میں بروئے کار لائے جانے والے عملیوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ عملیہ میں کام آنے والے مفردات و مرکبات کا تذکرہ الگ باب میں کیا گیا ہے۔ ابن القف ذاتی طور پر نہ صرف طبیب حاذق بلکہ ایک کامیاب سرجن بھی تھا۔ اس نے عجلون اور دمشق کے قلعوں میں برسوں طبی خدمات انجام دیں۔ اس کتاب کی جلد اول و دوم کے مشتملات سے اس کے تنوع اور افادیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

<u>جلد اول کے موضوعات:</u>

۱- جراحت کی تعریف اور اخلاط کا بیان

۲- اعضا کا مزاج اور اعضائے مفردہ کی تشریح

۳- اعضائے مرکبہ کی تشریح

۴- متعلقہ امور

۵- دموی اورام

۶- بلغمی اورام

۷- صفراوی اورام

۸- سوداوی اورام

۹-حاد امراض

۱۰-امور کلی

۱۱-مفردات برائے عملیہ

<u>جلد دوم کے موضوعات:</u>

۱۲-فساد خون کے سبب لاحق ہونے والی بیماریاں

۱۳-امراض (اورام) بلغمی کا علاج

۱۴-امراض صفراوی کا علاج

۱۵-سوداوی امراض کا علاج

۱۶-امراض مرکبہ

۱۷-جراحت، کسر اور خلع کا علاج

۱۸-عمل کی

۱۹-قروح و دبیلات کا علاج، عمل بالحدید

۲۰-قرابادین

اس کتاب کا عربی متن ۱۹۳۷ء میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد نے ایڈٹ کرکے دو جلدوں میں شائع کیا تھا۔ لیکن اپنی تمام تر افادیت کے باوصف اردو داں طبقہ کی رسائی اس کتاب تک نہیں ہو پا رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کونسل نے اس کا اردو ترجمہ منصوبہ بند طریقہ پر کرایا۔ یہ کام سابق لٹریری ریسرچ یونٹ، لکھنؤ کو تفویض کیا گیا، جہاں سر زمین اودھ کے نامور اور صاحب قلم طبیب حکیم شکیل احمد شمسی مرحوم کے زیر نگرانی حکیم تبارک کریم تکمیلی مرحوم، حکیم سید غلام مہدی اور ڈاکٹر خالد جاوید شمسی کی مشترکہ کوششوں سے جلد اول کا ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ جلد دوم کا ترجمہ ابتدائی مرحلے میں حکیم ظفر اللہ مرحوم نے کیا اور تکملہ حکیم سید غلام مہدی اور ڈاکٹر خالد جاوید شمسی نے کیا۔ انداز بیان سادہ اور زبان سلیس ہے۔

زیر تبصرہ کتاب طب یونانی کے مخالفین اور معاندین کے اس اعتراض کا عملی جواب بھی ہے

کہ طب یونانی کا دامن عملیہ سے خالی ہے۔ تفصیلی جائزہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ابوالقاسم زہراوی کے علاوہ بھی بہت سے سرجن گزرے ہیں، جنہوں نے اپنے تحقیق و تجربہ کی روشنی میں اس فن کو فروغ دیا۔ اگر آج کے ماہرین نے قدما کی ان تحقیقات وایجادات کو بنیاد بنا کر مفید اضافات اور جدید انکشافات کی روشنی میں اس فن کو بلندی اور عروج عطا کیا تو اس طرح ان قدیم محسن اطبا کی اہمیت پر کہاں حرف آتا ہے۔ جدید ترین تکنیک کے ساتھ ساتھ اگر اطبائے قدیم کی متذکرہ ادویہ سے بھی استفادہ کیا جائے تو کیا عجب عصر حاضر میں بھی معنی خیز نتائج ہمارے سامنے آسکیں۔ قدیم ذخائر بہر حال ہمیں آج بھی دعوت فکر و عمل دیتے ہیں۔

کتاب العمدہ کی کتابت اچھی ہے، تاہم اسے مزید دلکشی کی ضرورت تھی۔ کاغذ اور طباعت معیاری اور گٹ اپ خوبصورت ہے۔ امید کہ طبی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہوگی۔ نیز طب یونانی کے طلباء، اساتذہ اور دانشور یکساں طور پر مستفید ہوسکیں گے۔ کتاب کی ضخامت کو دیکھتے ہوئے قیمت بہت کم ہے۔ اردو زبان میں طب یونانی کی مقبولیت کے لیے یہ بھی ایک اہم اور مستحسن قدم ہے۔

(سہ ماہی طب صحت، الہ آباد، اپریل-جون، ۱۹۹۴ء)

●●●

مصباح الادویہ

مولف : حکیم عبدالصمد خاں
ضخامت : ۲۵۷ صفحات
سن اشاعت : ۱۹۹۳ء
قیمت : ۷۵ روپے
ملنے کا پتہ : حکیم عبدالصمد خاں، فیکلٹی آف میڈیسن، جامعہ ہمدرد، ہمدرد نگر، نئی دہلی-۶۲

علم الادویہ ہمیشہ سے اطباء کا ایک اہم موضوع تحقیق ومطالعہ رہا ہے، خواہ وہ ابتدائی نقوش کی صورت میں ہو یا ارتقائی مراحل کی حالت میں۔ کیونکہ بقائے صحت یا صحت کی بازیافت کے طور طریقوں اور وسائل وذرائع کی دریافت اور ممکنہ حد تک ان سے استفادہ انسان کی جبلت میں داخل ہے۔ نتیجۂ کارنت نئی دریافتیں ہوتی چلی گئیں اور دواؤں کی تاثیر، کیفیت عمل اور طریقۂ استعمال وغیرہ کے سلسلہ میں تحقیق کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو گیا۔

ابوالطب بقراط سے لے کر عہد حاضر تک علم الادویہ اور اس کے مختلف شعبے ماہرین کی دلچسپی کا مرکز ومحور رہے ہیں۔ اس فن کی جانب اطباء کے التفات مسلسل نے سائنٹفک معلومات وتحقیقات کا ایک حسین مرقع اور گنجینۂ بے بہا بنادیا۔ طبی دنیا کو علم الادویہ اور فارمیسی کے اعلیٰ رہنما خطوط طب یونانی ہی نے عطا کیے۔ چنانچہ پانچویں صدی قبل مسیح میں بقراط نے نہ صرف بیماری کو توہمات سے پاک کیا بلکہ معالجات کا مکمل لائحۂ عمل بھی تیار کیا۔ مرض کا صحیح تصور نیز علاج بالدواء اور علاج بالغذا کا واضح نظریہ بھی پیش کیا۔ صحت کے لیے بنیادی اور اہم امور مثلاً ورزش، حمام، دیگر مفید تدابیر، عمدہ عادتوں اور جسم ودماغ کی صحت پر مکمل گفتگو کی۔

پہلی صدی عیسوی میں دیسقوریدوس نے میٹریا میڈیکا "کتاب الحشائش" لکھی جو ۵۷ء

میں مکمل ہوئی۔ اس میں ہمیں میڈیکل علم النباتات، علم الادویہ اور شناخت ادویہ جیسے موضوعات پر اہم ترین اشارے ملتے ہیں جن کا براہ راست تعلق اس فن سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آگے چل کر یہ کتاب جدید میٹریا میڈیکا کے لیے بنیاد بنی۔ بقراط و دیسقوریدوس نیز دیگر یونانی اطباء کی تحقیقات سے جالینوس نے دوسری صدی عیسوی میں استفادہ کیا۔ اس نے دستیاب یونانی طبی لٹریچر کا بہ نظر غائر مطالعہ کر کے ترتیب و تہذیب کی خراد سے گزارا۔ جس سے اس فن میں تنظیم جدید کے ساتھ ساتھ تابانی پیدا ہوئی۔ اس نے دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ علم الادویہ کی روایت کو بھی آگے بڑھایا۔ اس کی تحریریں ساتویں صدی عیسوی تک یونانی اور رومی اطباء کی رہنمائی کرتی رہیں۔

آٹھویں صدی عیسوی کے اواخر میں عربوں نے طب کے ساتھ ساتھ دیگر سائنسی، عقلی اور انتظامی علوم نیز ترقی یافتہ مفتوح ممالک کے شاہکار علوم وفنون کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی۔ بالخصوص یونانی سے عربی میں۔ وسائل و ذرائع کی کمی تو تھی نہیں، نتیجۃً کار ترجمہ وانجذاب، کسب واستفادہ کا کام جنگی پیمانہ پر جاری ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یونانی کے اہم طبی شاہکار کا بیشتر حصہ عربی میں منتقل ہوگیا۔

اتنے سارے علمی ذخائر کو دیکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک صدی کا کام کئی صدیوں پر بھاری ہے۔ عربوں کی معارف پروری اور علم دوستی کا دائرہ یونانی زبان تک ہی محدود نہیں بلکہ انہوں نے دیگر ممالک کی خوبیوں کو بھی بڑھ کر گلے لگایا مثلاً فارسی، شامی اور سنسکرت سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔ اس طرح عربی زبان مزید تین صدیوں تک دنیا کے ماہرین اور دانشوروں کے لیے لنگوافرنیکا بنی رہی۔ بقراط کی تحقیقات ونظریات کے علاوہ ارسطاطالیس، دیسقوریدوس اور جالینوس کی کتابیں عربی میں دستیاب ہونے لگیں، جس کے اثرات مسلم دور حکومت پر بھی مرتب ہوئے۔ ان کے عہد میں فارمیسی، کیمیا اور دیگر سائنسی علوم کو خوب فروغ ملا۔ فارمیسی کی اعلیٰ تکنیک، دواؤں کی مقدار خوراک، اشکال اور دوائی تالیفات (مرکبات) کو پروان چڑھنے اور اس میں اصلاح کے زریں مواقع ملے۔ فارماسیوٹیکل تجہیزات مثلاً معاجین، لعوقات، شربت، جوشاندہ، حبوب واقراص، سعوطات وشیافات وغیرہ کی شکل میں دوائیں اطباء تجویز کرتے تھے جنھیں تیار کرنے کا شرف عطاروں کو حاصل ہوتا تھا۔ اہم ترین امر یہ ہے کہ

نویں صدی عیسوی کے آغاز میں فارمیسی معالجات سے جدا ہوکر ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کرگئی اور رفتہ رفتہ عطاروں کی مستقل دوکانیں معرض وجود میں آگئیں۔

عطاروں کو دواؤں کی فراہمی، ترکیب تیاری اور تحفظ واستعمال وغیرہ کی باقاعدہ تعلیم وتربیت دی جاتی تھی۔ شفاخانوں سے بڑی بڑی فارمیسی منسلک رہا کرتی تھی جن میں دواساز لیباریٹری بھی ہوا کرتی تھی۔ فارمیسی کی نگرانی تعلیم یافتہ اور مستند عطار کیا کرتے تھے۔ علم الادویہ اور دیگر متعلقہ شعبوں کے فروغ وارتقاء کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ مثال کے طور پر فقط چند کارنامے گنائے جاسکتے ہیں جو علم الادویہ اور فارمیسی کے لیے بنیادی خطوط فراہم کرتے ہیں:

ابوالحسن علی بن سہل ربن طبری (۸۱۰-۸۹۵ء) کی فردوس الحکمت (حصہ ۶)

علی بن عباس المجوسی (۹۹۴-۹۳۰ء) کی کامل الصناعۃ (جلد ۲)

ابوبکر محمد بن زکریا رازی (۹۲۵-۸۶۰ء) کی الحاوی الکبیر فی الطب (ج ۲۰ تا ۲۳) بالترتیب ادویہ مفردہ، صیدلہ اور قوانین استعمال ادویہ پر مشتمل ہیں۔

ابوریحان البیرونی (۱۰۴۷-۹۷۳ء) کی کتاب الصیدنہ۔

شیخ الرئیس عبداللہ بن حسین بن علی بن سینا (۱۰۳۷-۹۸۰ء) کی القانون فی الطب (ج ۲ و ۵)۔ اول الذکر ادویہ مفردہ کے جامع بیان اور موخر الذکر حصہ ادویہ مرکبہ پر مشتمل ہے، جس میں معاجین، تریاقات، ایارجات، جوارشات، حبوب واقراص، مراہم وضمادات کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

ابوالقاسم زہراوی (۱۰۳۶-۹۳۶ء) کی کتاب التصریف۔ اس کا پچاس فیصد حصہ میٹریا میڈیکا، ادویہ کی تیاری واستعمال، حبوب واقراص مراہم وضمادات وغیرہ کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ سلسلہ تیسرے مقالہ سے شروع ہوجاتا ہے۔

ابن وافد (۹۹۷ء) کی کتاب الادویۃ المفردہ

ابن جزلہ (۱۰۸۰-۱۰۵۴ء) کی منہاج البیان فیما یستعمل الانسان۔

شرف الدین اسماعیل جرجانی (۱۱۴۰ء) کی ذخیرہ خوارزم شاہی (ج ۱۰) مشتمل بر قرابادین۔

ابن رشد (۱۱۲۶-۱۱۹۸ء) کی کتاب الکلیات۔

ابن بیطار (۱۲۴۸-۱۱۹۷ء) کی الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ۔

حاجی زین العطار (۱۳۲۹ء) کی اختیارات بدیعی۔
داؤد انطاکی (۱۵۸۱ء) کی تذکرہ اولی الالباب، رستم جرجانی (۱۵۴۴ء) کی ذخیرہ نظام شاہی۔
میر محمد مومن استرآبادی (۱۵۵۲ء) کی اختیارات قطب شاہی۔
حکیم امان اللہ خاں (۱۶۷۳ء) کی گنج باد آورد۔
حکیم محمد اعظم خاں (۱۹۰۲ء-۱۸۱۳ء) کی محیط اعظم اور قرابادین اعظم وغیرہ۔
اطباء نے ادویہ کی شناخت، فراہمی، تحفظ اور طریقۂ استعمال وغیرہ کے بارے میں قیمتی معلومات بہم پہنچائیں۔ ان کے رشحات قلم میں ان کے ذاتی تجربات و مشاہدات کی جھلک صاف دیکھی جاسکتی ہے، جس سے ان کی کاوش اور دیدہ ریزی کا بآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں آگے چل کر طب مغرب کے لیے بنیاد بنیں۔

اردو زبان میں حکیم محمد کبیر الدین کی کلیات ادویہ سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ مقام مسرت ہے کہ حکیم عبدالصمد خاں نے اس روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ حکیم صاحب کو تعلیم و تعلم کا طویل تجربہ ہے۔ آپ جامعہ ہمدرد کی فیکلٹی آف میڈیسن، ڈپارٹمنٹ آف یونانی میڈیسن (سابق ہمدرد طبّی کالج) سے عرصہ سے وابستہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ دوران تدریس طلبہ کے مزاج فہمی کے ساتھ ساتھ تفہیمی تجربات سے بھی گزر ہوا ہوگا۔ چنانچہ موصوف نے قدیم طبّی سرمائے کا مطالعہ کر کے طلبہ کے ذہن کو پیش نظر رکھ کر علم الادویہ کے بنیادی اصول دل نشیں انداز میں تحریر کیے۔ جس میں دواء، غذاء، دواء ذوالخاصہ کی تعریف، تقسیم، ادویہ کی تاثیر بلحاظ اعضاء، ادویہ کی تاثیر مواد مرض پر، ادویہ کی تاثیر حرارت غریزی پر، اشکال ادویہ کی ترکیب و آمیزش کے احکام وغیرہ جیسے گوناگوں اہم موضوعات پر بڑی محنت سے مواد فراہم کیا گیا ہے۔ اس طرح نصابی نقطۂ نظر سے طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لیے یہ کتاب یکساں طور پر مفید بن گئی ہے۔ حکیم عبدالصمد نے طبّی مسلمات کے ساتھ ساتھ اپنے مشاہدات و تجربات کو بھی سمونے اور ہم آہنگ کرنے کی مخلصانہ سعی کی ہے۔ امید کہ فنی حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی اور اردو زبان میں طب یونانی کی نصابی کتابوں کی کمی دور کرنے کی ایک مستحسن کوشش بھی ثابت ہوگی۔

(پندرہ روزہ ہمدرد، دہلی، ۱۵، ۱۱اگست و یکم ستمبر ۱۹۹۴ء)

●●●

کتاب الکلیات (اردو ترجمہ)

مولف : ابوالولید محمد ابن رشد
ضخامت : ۴۵۶صفحات
اشاعت : باردوم، ۱۹۸۷ء
قیمت : ۵۰روپے
ناشر : سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن،
۵۔ پنچشیل شاپنگ سنٹر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۱۷

ابوالولید محمد ابن رشد بارہویں صدی عیسوی کا عظیم فلسفی اور صاحب تصنیف طبیب تھا۔ اس کی شہرت گوکہ فلسفی کی حیثیت سے زیادہ ہوئی، تاہم طب کے میدان میں بھی اس نے لافانی نقوش چھوڑے ہیں۔ اس کی طبی کتابوں کی ایک جامع فہرست مولانا عبدالسلام ندوی نے مرتب کی ہے، جس کے مطابق ان کتابوں کی تعداد ۳۰ تک پہنچتی ہے۔ اس کی کتابوں میں زیر تبصرہ کتاب "کتاب الکلیات" کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی، جس کی ستائش مشہور مورخ میجر نے بھی کھلے دل سے کی ہے۔ پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی میں اس کے لاطینی اور عبرانی زبانوں میں تراجم شائع کرنے کا اعزاز یورپ کو حاصل ہوا، لیکن خود عربی متن بہت تاخیر سے ۱۹۳۹ء میں اسپین سے شائع ہوا وہ بھی ایک قدیم مخطوطے کی فوٹو اسٹیٹ کی شکل میں۔ یہ نسخہ قدیم نامانوس عربی رسم الخط میں تھا جسے پڑھنا بہت دشوار تھا۔ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نے اپنے لٹریری ریسرچ یونٹ لکھنؤ میں نہ صرف اس کو از سرنو خط نستعلیق میں لکھوایا بلکہ باقاعدہ ایڈٹ کر کے شائع بھی کیا۔ زیر تبصرہ کتاب مذکورہ مطبوعہ کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کام بھی مذکورہ یونٹ میں انجام پایا۔ اس کتاب کے سلسلے میں کونسل کا یہ دوسرا مستحسن قدم ہے۔

طب یونانی کے موضوع پر یہ ایک خاص انداز کی کتاب ہے، جس میں کم و بیش جملہ طبی مباحث کا اجمالاً احاطہ کر لیا گیا ہے، چنانچہ خود مصنف اس کی افادیت کے بارے میں اپنے مقدمے میں رقم طراز ہے:

"اس تالیف کا مقصد یہ ہے کہ فن طب کے ضروری مضامین ایجاز و اختصار کے ساتھ اس طرح جمع کر دیئے جائیں جو اس فن کے ہر اس طالب علم کے لیے ایک شاہراہ بن جائے جو اس فن کے شعبوں کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم ان نظریات کو پیش کرنے کی کوشش کریں گے جو سچائی اور حقیقت کے مطابق ہوں گے"۔

کتاب الکلیات کو حسب ذیل موضوعات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے:

۱- کتاب التشریح
۲- کتاب الصحت
۳- کتاب المرض
۴- کتاب العلامات
۵- کتاب الادویہ والاغذیہ
۶- کتاب حفظ الصحت
۷- کتاب شفاء الامراض

اس کتاب میں تشریح (Anatomy)،
منافع الاعضاء (Physiology)،
امراضیات (Pathology)،
علامات (Symptometology)،
ادویہ واغذیہ، قوانین ترکیب ادویہ، حفظان صحت کے علاوہ نبض و حمیات پر بڑی اچھی گفتگو کی گئی ہے۔

آخر میں شفاء الامراض میں غیر طبعی حالات کے تحت امراض و اعراض پر مفید معلومات بہم

پہنچائی گئی ہیں۔ ایک جگہ ابو مروان ابن زہر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "ملینات کے استعمال کے بعد ہی فصد کھولی جاسکتی ہے"۔ (ص۔۳۷۵)

تپ دق کے سلسلے میں یہ نکتہ آفریں بات "یہ بخار اس لحاظ سے کہ یہ مزاج حار یابس غیر مادی ہے، اس کے معالجہ میں صرف تبرید و ترطیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے مریضوں کی تبرید و ترطیب کے لیے تمام امکانی تدابیر کی جائیں" (ص۔۳۱۳)۔ اس بخار کے آخر میں حمام کا تذکرہ بڑا معلومات آفریں ہے۔ جس میں متقدمین کے حوالے بھی موجود ہیں۔

آگے چل کر مختلف حمیات اور اعراض میں بروئے کار لائی جانے والی مفید تدابیر اور انتہائی معلومات آفریں باتیں بتائی گئی ہیں، جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں اور ہر معالج کو ان کی آگہی ضروری ہے۔

قراحات و جراحات کا اجمالی لیکن مفید تذکرہ کیا گیا ہے۔ جراحیات کا بیان زیادہ واضح نہیں ہے تاہم زریں اشارے اس میں بھی مل جاتے ہیں۔ فصد کا بیان مختصر مگر دلچسپ ہے۔

مصنف نے پیش گفتار کی طرح پس گفتار بھی لکھی ہے جو مختصر ہونے کے باوصف اہم ہے۔ اس میں مصنف نے کتاب کے اختصار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ 'تمام اقسام کی بیماریوں کے معالجات (بطور اصول کلیہ) بیان کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ ہر عضو کی بیماریوں کا فرداً فرداً علاج باقی رہ گیا ہے'۔

یہ بہر حال زبردست خامی تھی جس کی طرف اشارہ ابن رشد نے علمی ذمہ داری کا تقاضا سمجھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کا عزم ملاحظہ فرمائیے:

> "ہر عضو کے لحاظ سے معالجات امراض پر ہم ایک کتاب تالیف کریں گے...... ہمیں امید ہے کہ اتنا فارغ وقت مل جائے گا کہ ہم اس اہم کام کی طرف متوجہ ہوسکیں گے"

لیکن افسوس کہ اس کی عمر نے وفا نہیں کی اور ابن رشد کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ تاہم اس کا وجدان قابل ستائش ہے:

> "جس کو یہ کتاب دستیاب ہو اور معالجات پر میری تالیف کا حصہ نہ مل سکے اور اس کے مطالعہ کے بعد معالجات پر کسی کتاب کے دیکھنے کا ارادہ ہو تو معالجات پر عمدہ کتاب وہ ہے، جس کا

نام "تیسیر" ہے اور جس کے مولف ہمارے معاصر ابومروان ابن زہر ہیں"۔

معاصرانہ چشمک کے بجائے ہم عصر طبیب کے علمی مرتبہ کا اعتراف اور برملا اظہار ابن رشد کی وسیع النظری کی روشن دلیل ہے (مقام مسرت ہے کہ اس کتاب یعنی" کتاب التیسیر" کو بھی اردو کا لباس پہنا کر کونسل نے شائع کر دیا ہے جس پر تبصرہ و تعارف آئندہ پیش کیا جائے گا)۔ لیکن اس عظیم المرتب فلسفی اور طبیب کی قابلیت اور علمی بلندی ہی اس کے لیے بلائے جاں ثابت ہوئی۔ اخبار الاندلس کے مطابق:

"متعصب مسلمانوں نے ابن رشد کو ذلیل کیا، اس کو قاضی القضاۃ کے عہدے سے معزول اور افسر الاطباء Chief Medical Officer کے معزز عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔

اس کی جائداد ضبط کر لی گئی بالآخر اسے افریقہ میں پناہ لینی پڑی"۔

"اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی"

کتاب پڑھتے وقت اس کی کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اس میں مترجمین کے نام درج نہیں۔ اس سلسلے میں کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے پندرہ روزہ ہمدرد دہلی مجریہ یکم مارچ ۱۹۹۴ء کے ص ۳ پر شائع شدہ اداریہ "کتابوں کی باتیں" کا آخری پیراگراف پیش کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں، جس کے بین السطور ایک صاحب طرز اور دیانتدار ادیب کا دل دھڑک رہا ہے:

"یہ صحیح ہے کہ تخلیقی یا تحقیقی کام محض انفرادی نہیں ہوتا، بلکہ اس میں اجتماعی جدوجہد اور کاوشیں شامل ہوتی ہیں۔ جن سے وہ کام اشاعت پذیر ہو کر علمی دنیا میں پہنچتا ہے۔ تاہم کتاب پر مصنف یا مولف کا نام ضروری ہے۔ جس سے اس کی حوصلہ افزائی ہی نہیں علمی دیانت داری کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں۔ ہر کتاب کا مصنف یا مولف مثال کے طور پر ڈائرکٹر ہی نہیں ہو سکتا، بلکہ تصنیف یا تدوین کا کام ڈائرکٹر کے فرائض منصبی کے باہر ہے۔ اس کا منصب رہنمائی اور سرپرستی ہے۔ ڈائرکٹر کا کام ہے کہ وہ تمام ریسرچ اسکالرس کو ضروری سہولتیں فراہم کرنے کی جدوجہد کرے۔ البتہ تحقیقی نتائج کو شائع کرتے وقت ان پر متعلقہ ریسرچ اسکالرس کے نام ہونے ضروری ہیں۔ جمہوری دور میں فرد کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ خوش قسمتی سے یونانی ریسرچ کونسل میں ایک لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی قائم ہے، جس میں اچھے اور محنتی لکھنے والے شامل ہیں، انہیں ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی اور رہنمائی

کی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ کتابیں شائع ہوں اور طب یونانی کا مذاق عام ہو۔ امید ہے

• کہ یونانی ریسرچ کونسل کے نئے اور جواں سال ڈائرکٹر علمی و تحقیقی مزاج اور روایتیں پیدا کرنے کو اپنی ترجیحات میں شامل کریں گے۔"

کلیات ابن رشد کا یہ اردو ترجمہ صوری و معنوی دونوں اعتبار سے خوبصورت اور مفید ہے۔ اسے نہ صرف کالجوں اور جامعات کی لائبریریوں کی زینت بنانے کی ضرورت ہے، بلکہ انڈر گریجویٹ، پوسٹ گریجویٹ طلباء نیز تمام عاملین فن کے مطالعہ کی چیز بھی ہے۔ امید کہ ہر سطح پر اسے قبول عام حاصل ہوگا اور حوالے کے ساتھ مطالعہ کی میز پر بھی نظر آئے گی۔ نایاب کتابوں کی بازیابی اور پھر اردو داں حلقہ تک انہیں پہنچانا ایک مہم سے کم نہیں، جس کے لیے یونانی کونسل بہر حال شکریہ اور تہنیت کی مستحق ہے۔

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، الہ آباد، اکتوبر-دسمبر، ۱۹۹۴ء)

•••

المعالجات البقراطیہ (اردو ترجمہ)

(حصہ اول: مقالہ اول تا دہم)

مولف : ابوالحسن احمد بن محمد الطبری

ضخامت : ۷۰۸ صفحات

سن اشاعت : ۱۹۹۵ء

قیمت : درج نہیں

ناشر : سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن،

۶۵-۶۱، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری، نئی دہلی-۱۱۰۰۵۸

معالجات بقراطیہ دراصل گیارہویں صدی عیسوی کے معروف طبیب ابوالحسن احمد بن محمد الطبری کی تصنیف ہے، جس کے متعلق مشہور مورخ ابن ابی اصیبعہ اپنی کتاب "عیون الانبا فی طبقات الاطباء" میں اس طرح گہرفشاں ہیں:

"طبرستان کا ایک عالم فاضل طبیب اور رکن الدولہ کا طبیب خاص تھا۔ اس کی تصنیفات میں ایک کتاب معروف بہ معالجات بقراطیہ ہے جو نہایت جلیل القدر اور مفید تصنیف ہے۔ اس میں اس نے جملہ امراض اور ان کے معالجات کا تذکرہ کمال کی حد تک کیا ہے۔ یہ بکثرت مقالات پر مشتمل ہے"۔

کتاب لکھتے وقت دیگر متقدمین کے علاوہ علامہ نجیب الدین سمرقندی کی الاسباب والعلامات بھی مصنف کے پیش نظر تھی۔ کتاب کے آغاز میں مصنف نے ایک بڑا معلومات آفریں اور پر مغز مقالہ بھی شامل کیا ہے۔ جس میں متقدمین کے کارناموں نیز ان کے فنی اعجاز واخلاص کی ستائش کرتے ہوئے متاخرین کی سہل انگاری اور ان کے سطحی مطالعہ وتحقیق پر حرف گیری کی گئی ہے، نیز ان کی دانستہ یا نادانستہ کمیوں کی تلافی کے لیے ایک جامع اور مفید ترین کتاب لکھنے کے عزم صمیم کا

اظہار بھی کیا گیا ہے۔ کتاب کی افادیت کا اندازہ محولہ مقدمہ کے اقتباس ذیل سے بہ آسانی کیا جاسکتا ہے:

"میں اس بیاض کو علم کامل اور عمل کامل کا مجموعہ بنا دینا چاہتا ہوں، حتیٰ کہ جس کی بھی نظر اس پر پڑے یا طبابت کرنا چاہے، طبیب تو کجا، مصنف اور ادیب کیوں نہ ہو غلطی کا شکار نہ ہو۔"

یہ کتاب دس مقالات پر مشتمل ہے اور ہر مقالہ ۶۰-۵۰ ابواب کا مجموعہ ہے۔ مقالۂ اول میں مبادیات طب، فلسفہ و منطق نیز طبی ضابطہ اخلاقیات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، اس کے بعد امراض کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ آخری یعنی دسواں مقالہ امراض کبد، طحال وامعاء کی تشریح و منافع نیز معالجات پر مشتمل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باقی مباحث مثلاً امراض نسواں، امراض مرداں، امراض اطفال نیز حمیات وغیرہ کا احاطہ اگلے دس مقالات (۱۱-۲۰) میں کیا گیا ہوگا۔ جیسا کہ بیس مقالات کا تذکرہ خود مصنف نے کیا ہے، لیکن افسوس کہ یہ مقالات ہنوز دستیاب نہیں ہوئے، اسی لیے مشہور مورخ ابن ابی اصیبعہ دامن بچا کر نکل گیا لیکن قرائن سے پتہ چلتا ہے مصنف کی عمر وفا نہ کرسکی جس کے سبب وہ مجوزہ نشانہ پورا نہ کرسکا۔

دنیا کی ہمیشہ یہ ریت رہی ہے کہ جملہ علوم وفنون کسی بھی زبان کی طرح کسی نہ کسی رنگ روپ میں برابر ارتقائی منازل طے کرتے رہتے ہیں یہ اور بات ہے کہ کسی زبان کا چلن کم ہونے کے ساتھ ساتھ کوئی جدید زبان عوام کے جذبات ومحسوسات کے اظہار کا وسیلہ بننے لگتی ہے۔ طب یونانی کا مسئلہ بھی اس سے مختلف نہیں، جس کا پورا سرمایہ پہلے یونانی زبان میں تھا لیکن بغداد کی سرزمین سے جب علم وفن اور تہذیب وتمدن کے چشمے ابلنے لگے تو جملہ علوم وفنون بشمول طب یونانی کی یونانی زبان سے عربی میں منتقلی جنگی پیمانے پر عمل میں لانے کے لیے بیت الحکمۃ جیسا نادر روزگار ادارہ معرض وجود میں آگیا، جس کی عظیم الشان خدمات سے علمی وفنی دنیا ہمیشہ فیضیاب ہوتی رہے گی۔

اس کے بعد جب ایران میں یہ فن پہنچا تو نہ صرف وہاں کی زبان فارسی میں زیادہ سے زیادہ فنی سرمایہ منتقل ہوا، بلکہ ابوبکر ربیع بن احمد الاخوینی البخاری کی ہدایۃ المتعلمین فی الطب اسمٰعیل جرجانی کی ذخیرہ خوارزم شاہی اور بہاء الدولہ کی خلاصۃ التجارب جیسی معرکۃ الآرا مستقل تصانیف منظر عام

پر آئیں۔ بلاشبہ ہندوستان ہمیشہ سے علم وفن کا گہوارہ رہا ہے اور یہاں کے سلاطین کی معارف پروری کی آج بھی مثالیں دی جاتی ہیں۔ یہاں شاہی ادوار میں طب یونانی کی تعلیم و تدریس کا ذریعہ عربی و فارسی دونوں زبانیں رہی ہیں، تاہم رفتار زمانہ کے ساتھ ایک نوخیز لیکن انتہائی تابکار زبان یعنی اردو بہت تیزی سے عوام کے جذبات کے اظہار وابلاغ کا موثر وسیلہ اور وسیطہ بن گئی، جس میں عربی و فارسی زبان سے طبی سرمایہ کی منتقلی کا کام آزادی سے پہلے سے شروع ہو گیا تھا اور جس میں منشی نولکشور پریس لکھنؤ کا اہم ترین کردار رہا ہے۔ تاہم یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ آزادی اور تقسیم ہند کے بعد اسے جو زہر ہلاہل ارباب وطن کے دست مبارک سے ملا، اسے امرت سمجھ کر اس نے پی تو لیا، تاہم کچھ دنوں تک معطل اور سست رفتار ہوگئی۔ مقام مسرت ہے کہ نئی آب وتاب کے ساتھ اپنے بل بوتے پر اب یہ زبان آگے بڑھنے کا عزم نو کر چکی ہے اور وہ زہر بھی رفتہ رفتہ اپنا اثر کھوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ حکومت ہی کے ایک خود مختار ادارہ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نے نہ صرف اس کے احیاء میں اہم کردار ادا کیا ہے بلکہ بہت سی نادر و نایاب کتب کو اردو میں منتقلی کا لامتناہی سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اسی عزم جواں کی ایک اہم کڑی ہے۔

معالجات بقراطیہ جو بقراط کے اصول ونظریات کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، سے نہ صرف طبری کے معاصرین بلکہ مستقبل کے تقریباً جملہ اہم مصنفین و مولفین نے بھر پور خوشہ چینی کی ہے۔ تاہم عربی میں مخطوطہ کی شکل میں دنیا کی چند لائبریریوں میں محفوظ ہونے کے سبب عوام تو عوام خواص کی دسترس سے بھی باہر تھی۔ اردو زبان میں اس کی منتقلی اس وقت سے ہمارے اوپر فرض تھی، جب سے یہ افادہ واستفادہ کا اہم ترین ذریعہ بنی تھی۔ مقام مسرت ہے کہ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نے اس فرض کفایہ کو باحسن الوجوہ ادا کر دیا ہے اور اس کام کے لیے حیدر آباد فرخندہ بنیاد کے حکیم سید خورشید علی نیز جناب عارف الدین کی خدمات حاصل کی گئیں اور اس غرض سے نظامیہ طبیہ کالج، حیدر آباد میں موجود مخطوطہ کو اساس بنایا گیا، تاہم اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ اصل عربی متن کو بھی باقاعدہ ایڈیٹ کر کے مع حواشی وتعلیقات اور جامع مقدمہ

کے ساتھ شائع کیا جائے۔ اس طرح اس دُرِ نایاب سے نہ صرف عربی داں طبقہ ہی مستفید ہوسکے گا بلکہ تحقیق کرنے والوں کے لیے بھی ایک مفید سرمایہ سامنے آجائے گا۔

زیرتبصرہ جلد یعنی حصہ اول پانچ مقالات پر مشتمل ہے جس کے محتویات درج ذیل ہیں:

مقالۂ اول: مبادیات طب

مقالۂ دوم: سر اور چہرے کے جلدی امراض

مقالۂ سوم: امراض راس (داخلی)

مقالۂ چہارم: امراض چشم

مقالۂ پنجم: امراض انف واذن

معالجات بقراطیہ (اردو ترجمہ) کی زبان آسان، سلیس اور رواں ہے۔ طبی مسائل کو عام فہم انداز میں سمجھایا گیا ہے، قدیم اور نامانوس اوزان کو عشری اوزان میں تبدیل کردیا گیا ہے۔ نفیس کاغذ، اعلیٰ کتابت وطباعت نیز دلکش گٹ اپ طابع کے ذوق جمال کے آئینہ دار ہیں۔ زیرتبصرہ جلد اول کی طرح امید کہ جلد ثانی بھی جلد منظر عام پر آجائے گی جو کونسل کے منصوبے کا بہرحال لازمی حصہ ہے اور جس میں آخری پانچ مقالات کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

(پس نوشت: خدا کا شکر ہے کہ باقی پانچ مقالات یعنی ۱۰-۶ پر مشتمل جلد دوم وسوم کا ترجمہ بھی منظر عام پر آچکا ہے)

توقع ہے کہ کتاب کو قبول عام حاصل ہوگا اور دنیا کی اہم لائبریریوں کی زینت بنے گی۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، جولائی-ستمبر ۱۹۹۰ء)

•••

ماہیت الامراض

مولف : ڈاکٹر سید اسد رضا زیدی
ضخامت : ۲۵۶ صفحات
اشاعت : ۱۹۹۳ء
قیمت : ۴۰ روپے
ناشر : ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

ماہیت الامراض کو عملی مطب میں اساسی اہمیت حاصل ہے۔ زیر نظر کتاب میں امراضیات (Pathology) کے گونا گوں پہلوؤں اور معملی تجارب و تشخیص امراض کا بڑی خوبی کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے۔ گوکہ اس موضوع پر حکیم نعیم زبیری کی مرضیات شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکی ہے تاہم ایک جامع کتاب کی ضرورت پھر بھی محسوس کی جا رہی تھی اور ایک ہی موضوع پر مختلف مصنفین کی نگارشات سے بھی تنوع پیدا ہوتا ہے اور قارئین کو انتخاب مطالعہ کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب میں سی۔سی۔آئی۔ایم کے مجوزہ نصاب تعلیم کے پیش نظر موضوعات ذیل پر معلومات بہم پہنچانے کی مخلصانہ سعی کی گئی ہے:

علم الامراض، امراض دوران خون، التہاب کا اجمالی بیان، جراحت و التحام، امراض مادہ بین الخلیہ، مناعت کا اجمالی بیان، امراض انجماد خون، انسداد، سلیات و اکیاس، سرطان کی خصوصیات، امراض قلب، التہاب عضلات قلب، امراض عروق الدم، امراض تنفس، اتساع شعب، دق کا عمومی بیان، بواسیر، یرقان، امراض کلیہ، التہاب حوض الکلیہ، اعتلال، امراض بانقراس۔

ماہیت الامراض دیدہ ریزی اور گہرے مطالعہ کے بعد آسان زبان میں لکھی گئی ہے اور تفہیم میں آسانی کی غرض سے انگریزی اصطلاحات بین القوسین لکھی گئی ہیں۔ کتاب کے آخر

میں اصطلاحات کی شمولیت سے اس کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ بیشتر اصطلاحات سلیس اور قابل فہم ہیں، تاہم بعض اصطلاحات فنی گرفت کی حد میں بھی آتی ہیں۔

اگر دوسرے پہلو کو نظر انداز نہ کیا جائے تو باب ۱۴ کے تحت امراض عروق الدم کی بیماریوں کے موضوع میں خط کشیدہ زائد الفاظ عجز زبان پر دال ہیں۔

"اسباب: (۱) غذاء- اگر غذا میں Saturated Animal Fats لی جائیں تو خون میں Cholesterol کی مقدار بڑھ جاتی ہے، جب کہ وہ غذائیں جن میں Unsaturated fats ہوتی ہے، جیسے کہ مچھلی کا تیل اور روغنائی تیل وغیرہ کے کھانے سے خون میں Cholesterol کی مقدار کم ہوتی ہے" (ص ۱۶۵)

اسی طرح ص ۱۵۱ پر دوالی کے خاص مقامات کو انگریزی ہی میں لکھا گیا ہے، جب کہ ان سب کی اردو اصطلاحات بھی بآسانی دستیاب تھیں۔

بیک وقت فہرست اور متن میں یکساں صورت حال سہو کتابت کا شاخسانہ نہیں تصور کیا جاسکتا۔ اکثر انگریزی اصطلاحات کے اردو مترادفات نہیں لکھے گئے ہیں، جس کے لیے کسی مثال کی ضرورت نہیں۔ روشن کتابت اور عمدہ طباعت کے باوصف کتاب سہو کتابت سے محفوظ نہ رہ سکی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انگریزی اصطلاحات کاتب کے زور قلم کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں۔ اگر اسے کمپیوٹر پر کمپوز کرا کے چسپاں کیا گیا ہوتا تو حسن طباعت میں بآسانی اضافہ کیا جاسکتا تھا۔

زبان وبیان کی چند معمولی خامیوں کے باوصف یہ کتاب اپنے موضوع پر اب تک کی شائع شدہ کتابوں میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ امید کہ طلبہ اور اساتذہ کے حلقے میں یکساں مقبولیت حاصل ہوگی اور مصنف کا قلم اردو زبان کے سرمائے میں اضافے کے لیے مہمیز ہوگا۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، جنوری-مارچ، ۱۹۹۶ء)

•••

رہنمائے تخدیر

مولف : حکیم ضیاء الحسن جامعی
ضخامت : ۱۵۲ صفحات
اشاعت : ۱۹۹۵ء
قیمت : سو روپے
ناشر : ۵۰۴۶، کوچہ رحمٰن، چاندنی چوک، دہلی-۱۱۰۰۰۶

عملیہ نیز عمل تخدیر ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ کم از کم فی زمانہ تو تخدیر کے بغیر عملیہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اب جراحیات صغیرہ کے لیے بھی شاذ و نادر ہی کوئی شخص تخدیر کے بغیر رضا مند ہوگا۔ عہد قدیم میں تخدیر اور سُن کرنے کا تصور تو موجود تھا تاہم نفاذ اور اعمال کے طریقے پردۂ خفا میں تھے، چنانچہ اس کی کچھ کچھ جلوہ گری عرب اطباء کے دور میں ہونے لگی تھی، جس کی طرف ابوالقاسم زہراوی نے کتاب التصریف میں واضح اشارے بھی کیے ہیں جن کی تفصیل میں جانے کا یہ وقت نہیں ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ اس سلسلے کی تحقیق جب ارتقائی رخ اختیار کر رہی تھی عین اسی وقت ہمارے اطباء جمود و تعطل کا شکار ہو کر رہ گئے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ تحقیق کی اساس فراہم کر کے ہم لوگ مطمئن ہو گئے اور تحقیق مزید کا قرعۂ فال یورپی ماہرین کی تقدیر کا حصہ بن گیا۔ انہوں نے امراضیات اور تفتیش و تشخیص سے لے کر جراحیات تک میں وہ تحقیقی موشگافیاں کیں کہ آج مرض وصحت کے باریک سے باریک نکتے اور رازہائے سربستہ گویا کہ بول اٹھتے ہیں۔ بلاشبہ عصر حاضر کی ٹکنالوجی نے فیض رسانی کا غیر مختتم سلسلہ جاری کر دیا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب یعنی "رہنمائے تخدیر" حکیم ضیاء الحسن جامعی، ہیڈ آف جراحیات ڈپارٹمنٹ، فیکلٹی آف میڈیسن، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی کے مطالعہ و تحقیق کا ثمرہ ہے۔ جس میں عمل تخدیر کے موضوع پر اہم ترین اور جدید ترین مواد فراہم کیا گیا ہے۔ کتاب کا انتساب جامعہ ہمدرد کے بانی چانسلر عالی جناب حکیم عبدالحمید کے نام کیا گیا ہے۔ Foreward بزبان انگریزی ڈاکٹر (بریگیڈیر) پی۔ کے پال، انستھیزیا ڈپارٹمنٹ نے لکھا ہے اور تعارف مولف کے شاگرد رشید حکیم مشکور احمد صدر شعبۂ حفظان صحت کے قلم کا مرہون منت ہے، جو بڑا پر مغز ہے۔ پیش لفظ میں مولف نے تخدیر کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کتاب بی۔ یو۔ ایم۔ ایس طلبہ کی بنیادی رہبری کے لیے تالیف کی گئی ہے۔ تاریخی پس منظر کے زیر عنوان اجمالی تاریخ بھی پیش کی گئی ہے، جس کے تاریخی اشارے تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔

اصل کتاب ص ۲۰ سے شروع ہوتی ہے۔ ابتدائی باب چند متعلقہ اصطلاحات کی تشریح پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد عام اصول بتائے گئے ہیں۔ تدابیر ماقبل اور ادویہ مخدرہ (باب ۲) سے لے کر ۲۲ ویں باب تک نوع بنوع موضوعات کے تحت جملہ اہم مباحث کا بڑی خوبی سے احاطہ کیا گیا ہے۔ تفہیم کی سہولت کی غرض سے کتاب میں جا بجا تصاویر کا سہارا لیا گیا ہے، تاہم اتنی تصاویر کافی نہیں کہی جاسکتیں۔ امید کہ طبع ثانی کے وقت مزید نقشوں اور مناسب تصاویر سے طلبہ کی زیادہ سے زیادہ رہنمائی کی جائے گی۔ آخر میں فہرست اصطلاحات کی شمولیت سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ کتابیات کی فہرست دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مؤلف نے اہم اور معیاری کتابوں کے عمیق مطالعہ کے بعد یہ اہم کام انجام دیا ہے۔ کتاب کی صوری و معنوی خوبیوں کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے تو بیجا ستائش نہ ہوگی کہ یہ کتاب اردو زبان میں اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ اس موضوع پر اردو زبان میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ علامہ حکیم محمد کبیر الدین نے گو کہ علم الجراحت پر ایک کتاب تحریر کی تھی جو پورے علم الجراحت پر محیط ہونے کے باوصف بطور خاص علم تخدیر کے موضوع پر نہیں لکھی گئی تھی، مزید برآں یہ کتاب اب گوہر نایاب بن گئی ہے۔ استاذی ڈاکٹر حماد عثمانی نیز انوار علی دہلوی کی کتابیں بھی علم الجراحت پر اچھی کوششیں ہیں،

تاہم یہ بھی تخدیر کے لیے مختص نہیں۔ رہنمائے تخدیر کو دیکھ کر حکیم محمد سعید (ہمدرد پاکستان) کی یہ رائے مبالغہ آمیز نہیں معلوم ہوتی:

"آج سے پہلے کون کہہ سکتا ہے کہ ایک طبیب رہنمائے تخدیر، کتاب نہایت وثوق و اعتماد اور صحت کے ساتھ لکھ سکتا ہے۔ یہ حکومت ہند کی سائنس دوستی ہے کہ معاشرۂ ہند میں اطباء کو ان کا جائز مقام ملا ہے اور پھر ان اطبائے کرام نے اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے"۔

مندرجہ بالا محاسن کے ساتھ ساتھ چند امور محل نظر یا توجہ طلب ہیں۔ مثلاً بہت سی انگریزی اصطلاحات کے اردو مترادفات درج نہیں کیے گئے ہیں حالانکہ ان کے اردو مترادفات بآسانی مل سکتے تھے، ذوق جستجو کو قدرے تیز کرنے کی دیر تھی، بصورت مجبوری انگریزی، عربی قوامیس سے رجوع کیا جا سکتا تھا، مثلاً:

ص ۹۳، س ۱ Indication کے لیے اشارات علاج۔

س ۹ Low Spinal block کے لیے زیریں نخاعی انسداد

س ۲۱ Achalasia Gastrica کے لیے ارخائے معدی۔

ص ۹۴، س ۱ Spinal Anaesthesia کے لیے نخاعی تخدیر۔

س ۱۲، ۱۳ Contra Indications and Disadvantages کے لیے موانع استعمال اور مضرات۔

ص ۹۷، س ۱۳ Distal Illumination کے لیے بعیدی تنویر۔

ص ۹۸، س ۱ After Effects کے لیے مابعد اثرات۔

بعض اصطلاحات محل نظر ہیں مثلاً Cardiac Arrest اصطلاح "ایقاف القلب" ہے، نہ کہ دل کا رک جانا یہ تو صراحت ہوئی، اسی طرح Hypotensive Anaesthesia کے لیے تخدیر تحت الدباؤ کسی طرح جائز نہیں، کیونکہ ہندی کے ساتھ عربی کی ترکیب کسی طرح روا نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے کم طنابی تخدیر کا انتخاب کیا جا سکتا تھا۔

ص ۱۲۹، س ۶، آکسیجن کا بڑی خوراک میں داخلہ کے بجائے آکسیجن کا زائد مقدار میں

اوخال زیادہ سلیس ہے۔

کتابت گو کہ بہت عمدہ اور روشن ہے، تاہم شاہ سرخی ہی کے قلم سے ذیلی سرخیاں بھی لکھی گئی ہیں، جب کہ ذیلی موضوعات کے لیے قدرے خفی خط ناگزیر تھا۔ اس طرح حسن کتابت میں مزید بہتری آجاتی۔

نفیس کاغذ، پاکیزہ کتابت اور معیاری طباعت کے ساتھ ساتھ خوبصورت اور بامعنی گرد پوش نے کتاب کا ظاہری حسن دو بالا کر دیا ہے اور مقام مسرت ہے کہ یہ کتابت سہو کتابت سے کافی حد تک محفوظ ہے جس سے مولف کے جودت طبع کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

امید کہ حکیم ضیاء الحسن جامعی کی یہ کاوش طبیہ کالجوں اور میڈیکل کالجوں کے طلبہ کے ساتھ ساتھ حلقۂ اساتذہ میں بھی یکساں مقبول ہوگی اور نصاب کی ایک اہم کمی پوری ہوگی۔ اس طرح مؤلف کے جذبۂ تالیف کی مناسب داد مل سکے گی۔

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، الہ آباد، جنوری-مارچ، ۱۹۹۶ء)

•••

یونانی ادویہ مرکبہ

مولف : حکیم سید محمد حسان نگرامی
اشاعت : ۱۹۹۵ء
ضخامت : ۳۳۳صفحات
قیمت : ۷۰روپے
ناشر : مولف
پتہ : عقب مدح گنج پولس چوکی، سیتاپور روڈ، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۷

طب یونانی میں حصۂ معالجات کی طرح قرابادین کی طرف بھی کم وبیش ہر دور میں توجہ مبذول کی گئی، پھر فارسی اور اردو دور میں تو گویا انقلاب آ گیا۔ قرابادینی تصانیف کا بھرپور جائزہ لیا جائے تو بلا شبہ ایک مبسوط تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ شیخ الرئیس کی القانون فی الطب کی پانچویں جلد اسی موضوع کے لیے مختص ہے۔ اسی طرح اسمٰعیل جرجانی کی ذخیرہ خوارزم شاہی کی دسویں جلد، خان زماں امان اللہ کی قرابادین زمانی یا گنج بادآور د صاحب قرانی وغیرہ اور بعد میں تو بڑے جامع کام ہوئے، مثلاً قرابادین قادری (حکیم محمد اکبر ارزانی)، قرابادین اعظم (حکیم محمد اعظم خاں)، علاج الامراض فارسی (حکیم محمد شریف خاں)، جامع الجوامع (حکیم علوی خاں) شفاء الصالح (حکیم محمد صالح خاں) قرابادین ذکائی، حکیم ذکاء اللہ خاں دہلوی)، قرابادین جلالی (حکیم جلال الدین امروہوی)، قرابادین احسانی (حکیم احسان علی)، مجربات عزیزی (حکیم عبدالحلیم لکھنوی)، قرابادین کبیر (حکیم محمد حسین خاں)، مجربات لقمانی (حکیم عبدالرحیم جلیل)، کتاب المرکبات المعروف بہ مخزن المرکبات (حکیم غلام جیلانی خاں)، بیاض کبیر جلد ۲ یا دہلی کے مرکبات (حکیم محمد کبیر الدین)، قرابادین سرکاری (انڈین میڈیسن ڈپارٹمنٹ،

گورنمنٹ آف آندھراپردیش)، یونانی فارماکوپیا (گورنمنٹ آف مدراس)، یونانی فارماکوپیا (گورنمنٹ آف بہار)، قراباذین بنگلہ (حکیم محمد یونس جیبی)، مجربات حکمائے ہند (ہری چند ملتانی)، نیشنل فارمولری آف یونانی میڈیسن (گورنمنٹ آف انڈیا، نئی دہلی)، کتاب المرکبات (حکیم سید ظل الرحمن)، مرکبات ادویہ (حکیم وسیم احمد اعظمی) وغیرہ وغیرہ۔

متقدمین کی تصانیف انتہائی وقیع اور گرانقدر ہونے کے باوصف کچھ تو ان کی طوالت اور قدرے چند متذکرہ دواؤں کی عدم دستیابی کے سبب رفتہ رفتہ مارکیٹ سے غائب ہوتی گئیں اور اب صورت حال یہ ہے کہ صرف ریسرچ وتحقیق کی حد تک ہی ان سے رجوع کیا جاتا ہے۔ گوناگوں مشکلات پر قابو پانے اور نسخوں میں یکسانیت پیدا کرنے کی غرض سے مرکزی وزارت صحت نے ایک مبسوط فارماکوپیا پیش کرکے ماہرین اور عاملین فن کے دیرینہ مطالبہ کی تکمیل بالآخر کر ہی دی۔ یہ پیش کش بلاشبہ اپنی جگہ بہت خوب ہے تاہم تدریسی نقطۂ نظر سے مختصر مگر جامع کتاب کی ضرورت بہر حال برقرار رہی۔ مقام مسرت ہے کہ پروفیسر حکیم سید ظل الرحمن اور حکیم وسیم احمد اعظمی کے بعد اب حکیم سید محمد حسان نگرامی کی کاوش منظر عام پر آگئی ہے چونکہ نگرامی صاحب کے پیش نظر کم وبیش جملہ سابقہ اشاعتیں رہی ہوں گی اس لیے انہوں نے چند امتیازی نقوش زیر تبصرہ کتاب میں ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ ساتھ ساتھ نصابی تقاضہ پورا کرنے کا عزم بھی ان کے پیش نظر رہا ہے۔ مقام مسرت ہے کہ اب اردو زبان میں طب کا قاری بھی ایک ہی موضوع پر مختلف کتابیں پڑھنے یا انتخابی ذوق کے تکملہ سے بہرہ ور ہوسکے گا۔

یونانی ادویۂ مرکبہ میں حسب روایت اطریفلات، تریاقات، جواہرات، جوارشات، حبوب، خمیرے، دوائے مرکب، سفوفات، سکنجبینات، سنونات، شربت، ضمادات، اطلیہ، عرقیات، اقراص، اکحال، کشتے، لبوبات، لعوقات، مربے، مراہم، معاجین اور مفرحات کے تحت مشہور ومعروف اور مستعمل مرکبات کا بڑی خوبی سے احاطہ کیا گیا ہے۔ جدید اوزان، نفع خاص نیز مقدار خوراک کی شمولیت سے بیک نظر نسخہ کا افادی پہلو سامنے آجاتا ہے۔ مرکبات کے نام لکھنے کے معاً بعد وجہ تسمیہ لکھنے کا چلن بھی ہوگیا ہے، جو تاریخی نقطۂ نظر سے مفید ہونے کے ساتھ ساتھ

عملی مطب کے لیے بھی رہنما ثابت ہوگا۔ آج کل جب کہ عربی وفارسی تو درکنار اردو خوانی کا دائرہ اگر کم نہیں تو انحطاط پذیر ضرور کہا جاسکتا ہے۔ نتیجۂ کار حب کو حُب پڑھنے اور بولنے کا چلن عام ہو چلا ہے، جسے غیر اہم قرار دیتے ہوئے "لغزش مستانہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی لغزش مستانہ پر کنٹرول پانے کے لیے مصنف نے رومن رسم الخط کا سہارا لے کر جرأت رندانہ کا ثبوت دیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ اختراع اہم اور مفید ہے، تاہم اعراب سے یہ مقصد باحسن الوجوہ حاصل کیا جاسکتا تھا اور اس طرح اس زبان کے حسن لطیف کو بھی مجروح یا پامال ہونے سے محفوظ رکھا جاسکتا تھا۔

ابتدائے کتاب میں "مضمون سے متعلق ضروری اصطلاحات" نے کتاب کی افادیت بڑھا دی ہے۔ اسے اولیں کوشش یا صرف مصنف کی اختراع کہنا روا نہیں، کیونکہ کتاب المفردات مولفہ حکیم مظفر حسین اعوان طبع سوم، ص ۳ تا ۵۲ اور کلیات ادویہ از حکیم محمد کبیر الدین نیز نیشنل فارمولری آف یونانی میڈیسن (حصہ اول)، حکومت ہند وزارت صحت میں اس طرح کے معلومات آفریں نکات پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

ص ۳ پر مصنف کا بھر پور تعارف موجود ہے، جو ایک معروف صاحب قلم کے بہر حال شایان شان نہیں، ص ۵ پر اپنے والد محترم مولانا سید محمد عبدالغفار ندوی، سابق استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نام انتساب پیش کر کے مصنف نے اپنی سعادتمندی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی، حکومت اتر پردیش کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے، جس کا بجا طور پر اعتراف بھی کیا گیا ہے۔ مجموعی طور سے یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک مفید نصابی کوشش ہے۔ کتابت وطباعت عمدہ اور گرد پوش دیدہ زیب ہے۔ امید کہ عام عاملین فن، طلبہ اور اساتذہ کے حلقوں میں خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، اپریل-جون، ۱۹۹۶ء)

●●●

عہد مامون کی طبّی وفلسفیانہ کتب کے تراجم
ایک تحقیقی مطالعہ

محقق : ڈاکٹر عشرت اللہ خاں
مصحح : حکیم غلام مہدی
اشاعت : اول، ۱۹۹۴ء
ضخامت : ۳۴۳ صفحات
قیمت : ۴۰ روپے
ناشر : ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، ویسٹ بلاک ۱، آر۔ کے پورم، نئی دہلی۔۱۱۰۰۶۲

کہنے کو تو زیر تبصرہ کتاب عہد مامون کی طبّی وفلسفیانہ کتب کے تراجم کا ایک تحقیقی جائزہ ہے، لیکن اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ماقبل عہد کا سرسری جائزہ بھی اس کے دائرۂ تحقیق میں شامل کرلیا گیا ہے۔ گوکہ ہارون رشید (متوفی ۸۰۹ء) نے ترجمہ کے کام کو بام عروج پر پہنچا دیا تھا چنانچہ اسے فروغ دینے کے لیے بیت الحکمت بھی قائم کیا، جس کی تعمیر و توسیع میں یحییٰ برمکی کی بنیادی خدمات سے انکار کی گنجائش نہیں، تاہم عہد مامون کے شروع ہوتے ہی ترجمہ کی تحریک کو گویا بال و پر لگ گئے۔ یہ فرماں روا نہ صرف یہ کہ خود عالم دین بلکہ انتہائی علم دوست بھی تھا، ترجمہ کے سلسلے میں اس کی خدمات آب زر سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک جامع اور پر مغز کتاب ہے، پھر بھی ہارون رشید کی خدمات اور معارف پروری جیسے اہم موضوع پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

بیت الحکمت سے طب یونانی کا کتنا گہرا رشتہ ہے اس کی حقیقت صرف اس امر سے واضح ہو جاتی ہے کہ اگر بیت الحکمت نہ قائم کیا گیا ہوتا تو بہت سی یونانی الاصل کتابیں ہم تک نہ پہنچی ہوتیں اور فیثا غورث، افلاطون، ارسطو، بقراط، دیقوریدس اور جالینوس جیسے اساطین طب کے حقیقی نظریات سے شاید آج کی دنیا نابلد ہوتی۔ اس طرح یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ طب وفلسفہ کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں مسلمانوں نے انجام دیے، ان سے علمی وطبی دنیا کبھی سبکدوش احسان نہیں ہوسکتی۔ ڈاکٹر عشرت اللہ خاں نے اس اہم موضوع کا انتخاب اپنی، ایچ، ڈی کے مقالہ کے لیے کر کے دانش مندی کا ثبوت دیا ہے کیونکہ اس دشوار گزار وادی کو سر کرنا، سر پھروں ہی کا کام ہوسکتا تھا۔ اس پرخطر وادی میں ڈاکٹر شفیق احمد خاں ندوی کی سرپرستی اور ڈاکٹر بدرالدین الحافظ کی رہنمائی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کے مشتملات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ حکمائے یونان اور عربی میں نقل شدہ علوم وفنون کا ایک جائزہ، مسلمانوں میں یونانی علوم کی اشاعت، السنہ، جن کے توسط سے عربی میں ترجمہ کا کام ہوا، طریقہ ترجمہ، اس کی صحت، عہد مامون تک عربی علوم کے تراجم کی تاریخ، علوم وفنون کی ترقی میں بیت الحکمۃ کا حصہ، عہد مامون کے مترجمین اوران کے علمی کارنامے، عہد مامون کے طبی وفلسفیانہ تراجم کا تحقیقی مطالعہ، فلسفیانہ تراجم کا تحقیقی مطالعہ۔

زیر تبصرہ کتاب میں طب وفلسفہ کی بنیادی حقیقت اوران کا مقام متعین کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ تراجم کے سلسلے میں حقائق ومعارف کا پتہ لگانا دشوار گزار مرحلہ تھا۔ اردو تو اردو عربی میں بھی معلومات انتہائی تشنہ اور ناقص تھیں۔ تراجم وتالیفات اکثر خلط ملط اور باہم دست وگریباں نظر آتے ہیں۔ اس لیے تراجم کو تالیفات سے ممیّز کرنے کا جو ذمہ دارانہ فریضہ فاضل محقق نے انجام دیا ہے، قابل داد ہے۔ کتاب کے ورق ورق، بلکہ سطر سطر سے ڈاکٹر عشرت اللہ خاں کی تحقیقی ادا جھلکتی ہے۔ کتاب کے آخر میں عربی اور اردو مراجع کی ایک مبسوط فہرست شامل کی گئی ہے جوان کے دقت نظر اور وسعت مطالعہ پر دال ہے۔ یہ مراجع تحقیق مزید کے

لیے مشعل راہ ثابت ہوں گے۔ کتاب کے شروع میں مقدمہ بڑا معلومات آفریں اور پر مغز ہے۔

ترقی اردو بیورو نے یہ کتاب شائع کر کے تحقیقی کام کرنے والے طلبہ واساتذہ بالخصوص طبیہ کالجوں کے طلبہ کے اعلیٰ مطالعہ کے لیے ایک جادۂ عمل پیش کیا ہے۔ کتابت وطباعت عمدہ نیز گرد پوش معیاری ہے۔ امید کہ یہ کتاب علمی، فنی اور تحقیقی دنیا میں قبولیت حاصل کرے گی۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، جولائی۔ستمبر، ۱۹۹۶ء)

•••

منشیات

مولف : محمد رفیق اے۔ ایس

مصحح : حکیم غلام مہدی

اشاعت : اول،۱۹۹۴ء(سلسلہ مطبوعات نمبر ۷۲۳)

صفحات : ۲۳۴ صفحات

قیمت : ۴۰ روپے

ناشر : ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، ویسٹ بلاک I آر۔کے۔پورم، نئی دہلی ۱۱۰۰۶۶

ڈرگ کا نام سنتے ہی آج کا انسان کانپ اٹھتا ہے، کیونکہ دوا جیسی مفید شے کے لیے وضع کیا گیا یہ لفظ اپنا رخ منشیات کی طرف موڑ چکا ہے۔ بلا تخصیص مذہب وملت ہر ملک کی نوجوان نسل کی غالب اکثریت آج اس کی گرفت میں آچکی ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جس مذہب میں آج سے کم وبیش ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہی سے ہر نشہ آور شے کا جز ویا کل بالکلیہ حرام قرار دیا جاچکا ہے اور اسلامی ممالک بالخصوص سعودی عربیہ میں منشیات اسمگل کرنے کی سزا موت اور صرف سزائے موت ہے، اس کے نوجوان بھی پاک دامنی کی قسم نہیں کھا سکتے۔ اس لعنت کی ابتداء گو کہ ایڈز وغیرہ کی طرح یورپ سے ہوئی تاہم تلذذ کی خاطر سارے عالم میں اس لعنت کا خیر مقدم کیا گیا، بعد میں مغرب نے ہی مشرقی ممالک کو موردالزام قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا۔ ہندوستان میں اس کے تشویشناک فروغ کے گوناگوں عوامل کا تجزیہ کرتے ہوئے محمد رفیق بجا طور پر رقمطراز ہیں:

"یہ انتہائی بدقسمتی کی بات ہے کہ برصغیر میں ہندوستان وہ ملک ہے جہاں منشیات کے عادی افراد کی تعداد تشویشناک حد تک بڑھ چکی ہے اور دن بدن ترقی جاری ہے۔ اس کی ایک وجہ تو

اس معاملہ میں ہندوستان کا زرخیز ہونا ہے"۔

ایک وجہ غربت وناداری ہے اور اہم ترین وجہ جہالت اور ناخواندگی کی ہوش ربا شرح ہے، جو اس ملک میں پائی جاتی ہے۔ ہندوستان میں جدید منشیات کا تعارف ان طلباء کی معرفت ہوا جو دوسرے ملکوں سے حصول تعلیم کے لیے اس ملک میں آئے۔ دوسری وجہ وہ ہپی اور سیلانی ہیں جن کے لیے یہ ملک جنت سے کم نہیں اور تیسری اور اہم ترین وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے اردگرد جو ممالک پائے جاتے ہیں وہ وہی ہیں، جہاں یہ منشیات دنیا میں سب سے زیادہ پیدا کی جاتی ہیں، مثلاً کمبوڈیا، لاؤس، ویتنام، برما، افغانستان وغیرہ۔ خود ہندوستان میں ان اجزاء کی کمی نہیں جو منشیات کی تیاری کے لیے ضروری ہیں، مثلاً افیون، پوست، گانجا، بھانگ، چرس وغیرہ اور ان کا استعمال ایک طویل عرصہ سے یہاں ہو رہا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مغرب ومشرق دونوں منشیات کی بلاخیزی کی گرفت میں مکمل طور پر آچکے ہیں۔ اس کا سبب کہیں تعیش اور جذبہ تلذذ تو کہیں غربت وناداری ہے، تاہم بے راہ روی یا جادۂ اعتدال سے انحراف بہر حال ہر جگہ قدر مشترک کی حیثیت سے موجود ہے۔ اس اعتراف اور احساس کے باوصف کہ منشیات کا عادی نہ صرف اپنی ذات اور احباب ومتوسلین کے اوپر مستقل بوجھ ہوتا ہے، بلکہ ملک وملت کے لیے بھی عضو لنگ بلکہ ناسور بن کے رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے کاروبار میں ملوث افراد کے لیے دنیا کے بیشتر ممالک میں سخت ترین سزائیں حتی کہ سزائے موت تک دی جاتی ہے، اور گو سزا نہ بھی دی جائے تو منشیات کا عادی آخر کار خود اختیاری طور پر موت کو بڑھ کر گلے لگالیتا ہے، کیونکہ منشیات کے عادی افراد میں خودکشی کا رجحان انتہا پر ہوتا ہے، ان لوگوں میں عزائم اور حوصلے نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں منشیات کے اسرار ورموز کے تعارف نیز اس کے عواقب کی مکمل آگہی بالخصوص اردو زبان کی وساطت سے وقت کا اہم ترین تقاضا ہے، کیونکہ دنیا کی بیشتر زبانوں بشمول ہندوستانی زبانوں میں اس موضوع پر گراں قدر کتابیں موجود ہیں، لیکن اردو زبان اس نعمت سے ہنوز محروم تھی۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مختلف منشیات پر جستہ جستہ مضامین وقتاً فوقتاً اردو جرائد ورسائل کے صفحات پر جلوہ گر

ہوتے رہے ہیں تاہم مستقل تصنیف کی کمی عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی۔ محمد رفیق اے۔ ایس۔ نے نوجوانوں کی رہبری اور منشیات کی لعنت سے مکمل آگہی کی خاطر وسیع مطالعہ کے بعد اس موضوع پر کتاب لکھ کر جہاں ایک طرف نئی نسل کو مشعلِ راہ عطا کی ہے وہیں اردو زبان کے سرمائے میں گراں قدر اضافہ بھی کیا ہے۔

یہ کتاب پیش لفظ، غرضِ مصنف اور کتابیات کے علاوہ سات مفید ابواب پر مشتمل ہے، جن میں ادویات کا تعارف، ان سے مرتب ہونے والے اثرات، منشی ادویہ اور اجزا کی تقسیم و تعریف نیز ان کے استعمال کے نتیجہ میں رونما ہونے والے حالات و کوائف، منشیات کی روئیدگی، برآمدات، درآمدات، طبی استعمال کے ساتھ ساتھ تاریخی و سائنٹیفک منظرنامے، نشہ کی ابتدا اور ارتقاء، ذہن اور جسم پر منشیات کے اثرات، معالجات نیز ترسیل اور حصول کے ذریعہ پر بڑے شرح و بسط سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کے آخر میں مشاورتی مراکز نیز مانع علت اداروں کی ایک مبسوط فہرست انگریزی میں پیش کی گئی ہے۔

زبان و بیان کی چند خامیوں اور سہو کتابت کو چھوڑ کر اپنے موضوع سے بھرپور انصاف کرنے والی اس کتاب کی کتابت روشن اور طباعت دیدہ زیب ہے۔ ڈسٹ کور کارڈ بورڈ کا اور مصور متنی آفریں ہے۔ امید کہ طبی اور عوامی سطح پر اردو کی وساطت سے منشیات کے بارے میں آگہی کے خواہاں افراد کے لیے یہ کتاب ارمغان ثابت ہوگی۔ کتاب کے معنوی اور صوری محاسن دیکھ کر اس کی بازاشاعت کی نوبت جلد آنے کی پیش قیاسی بآسانی کی جاسکتی ہے۔

(نوائے طب و صحت، الٰہ آباد، جولائی۔ستمبر، ۱۹۹۶ء)

•••

رہنمائے مطب (حصہ اول)

مولف : حکیم محمد ہشام الدین صدیقی
اشاعت : ۱۹۹۲ء
ضخامت : ۲۳۵صفحات
قیمت : ۶۵روپے

زیرنظر کتاب امور طبیعیہ کے موضوع پر ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلاشبہ طب کے طالب علم کو سب سے پہلے بدن انسانی کے اجزائے ترکیبی نیز ان کے امزجہ سے سابقہ پڑتا ہے۔ اسی طرح ذی حیات میں زندگی اور روح نیز تغذیہ اعضاء کے طریق کار کا مطالعہ اساسی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔

تاہم اصل موضوع سے پیشتر تکوین عالم اور تخلیق انسان کے زیر عنوان مقدمۂ کتاب انتہائی معلومات آفریں اور بصیرت افروز ہے۔ اس میں تدوین عالم اور مادی و مذہبی نظریات کے تحت بڑی معلومات آفریں باتیں بڑی تحقیق و عرق ریزی کے بعد پیش کی گئی ہیں۔ بالخصوص حدیث و قرآن کی روشنی میں سائنسی حقائق کا تجزیہ انتہائی مفید اور معلومات آفریں ہے، جو صرف پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ بلاشبہ اگر بسوط مقدمہ کو بغور پڑھ لیا جائے تو امور طبیعیہ کی تفہیم آسان ہو جائے گی۔

اس کتاب میں ارکان، مزاج، اخلاط، اعضاء، ارواح، قویٰ اور افعال پر بڑی عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔ امور طبیعیہ کی ممکنہ تسہیل اور پھر جدید ترین تحقیقات سے تطبیق بڑا مشکل مرحلہ تھا جسے فاضل مولف نے اپنے ذوق مطالعہ و تحقیق کے ذریعہ کامیابی کے ساتھ سر کیا ہے۔

کتاب کے آخر میں ۲۷ کتابوں کا ماخذ درج کیا گیا ہے جس سے مولف کے وسعت مطالعہ کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اختتامی تین صفحات فہرست مضامین پر مشتمل ہیں، جو مطالعہ

کتاب کے لیے بہرحال کلیدی اہمیت کے حامل ہیں۔

عالمی طور پر ترقی یافتہ عصری دور میں طب یونانی کے بنیادی اصول کی تفہیم سائنٹفک انداز میں بے حد ضروری تھی۔ اس ضرورت کو حکیم محمد ہشام الدین صدیقی نے شدت سے محسوس کیا اور برسوں کے مطالعہ و تحقیق کے بعد قدیم و جدید سرمائے کی روشنی میں اس اہم لیکن بظاہر پامال موضوع کو انتہائی دلچسپ اور عین سائنٹفک انداز میں پیش کر کے ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ کتابت و طباعت روشن ہے۔ امید کہ ارباب علم و فن اسے قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور طبیہ کالجوں کے طلبہ اور اساتذہ بھرپور پذیرائی کریں گے۔ اس طرح مولف کے جذبہ تصنیف و تالیف کی مناسب داد مل سکے گی۔

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، الہ آباد، جولائی۔ ستمبر ۱۹۹۲ء)

●●●

تشریح البدن (ہیکل عظمی)

مولف : علاء الدین خاں
اشاعت : دوسرا ایڈیشن، اکتوبر ۱۹۹۲ء
ضخامت : ۲۳۱ صفحات
قیمت : ۷۰ روپے
ناشر : چمن پبلی کیشنز، ۵۱۔بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی۔۱۱۰۰۱۳

حکیم علاء الدین خاں مرحوم اب اس دنیا میں نہیں رہے، لیکن ان کے فنی کارنامے ہمیشہ خیر جاریہ کی حیثیت سے دو طرفہ فیض رسانی کا موجب بنے رہیں گے۔ زیر نظر کتاب مرحوم نے اپنی حیات میں مجھے برائے تبصرہ عنایت فرمائی تھی، لیکن چند در چند مصروفیات کے سبب تاخیر در تاخیر ہوتی چلی گئی۔

مولف نے برسہابرس کے مطالعہ اور تدریسی تجربہ کے بعد تشریح جیسے اہم لیکن خشک موضوع پر قلم اٹھایا اور صحیح معنوں میں اس کا حق ادا کردیا۔ طلبہ کے ذہن کو پیش نظر رکھتے ہوئے نظام العظام (Ostiology) کو نہایت جامع اور دلنشیں انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے:

پہلے باب میں تعریف تشریح مع اقسام، بحث عظام، عمود الفقار، عظم القص اور اضلاع وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

دوسرا باب صدر اور اطراف اعلیٰ پر مشتمل ہے۔

تیسرے باب میں اطراف اسفل کا تذکرہ ہے۔

چوتھے باب میں قحف اور چہرے کی ہڈیوں کی تشریح پیش کی گئی ہے۔

کتاب میں مختلف النوع خوبیاں ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

یونانی اصطلاحات کے محاذی انگریزی اصطلاحات بالالتزام درج کی گئی ہیں اور حسب ضرورت کتاب کو مفید اسکیچ اور خاکوں سے مزین کیا گیا ہے، جو کم از کم تشریح کی کتاب کے لیے اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔

دیباچہ حکیم سید ظل الرحمٰن کے قلم کا مرہون منت ہے۔ جس میں تشریح کے ابتدائی نقوش سے لے کر متاخرین تک کے تاریخی سفر پر بلیغ اشارے موجود ہیں۔ اردو میں گو کہ اس موضوع پر کافی کام ہوا ہے تاہم ندرت بیان اور ذاتی اسلوب تحریر نے اس کتاب کو امتیازی رنگ عطا کر دیا ہے۔ اس کتاب پر دہلی اردو اکادمی نیز یوپی اردو اکادمی نے بالترتیب ڈیڑھ ہزار، ایک ہزار روپے کے انعامات سے سرفراز کیا ہے۔

کتابت وطباعت عمدہ اور سرورق دیدہ زیب نیز قیمت مناسب ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ طبیہ کالجوں کے طلبہ میں اسے بھرپور پذیرائی حاصل ہوگی۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، جولائی۔ستمبر، ۱۹۹۷ء)

●●●

طبِّ یونانی اور چیلنجز

مولف : حکیم اشہر قدیر
اشاعت : ۱۹۹۷ء
ضخامت : ۱۲۰ صفحات
قیمت : ۲۰ روپے
ناشر : نئی آواز، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵
تقسیم کار : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
پرنسس بلڈنگ بمبئی-۴۰۰۰۰۳
یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

حکیم اشہر قدیر لکچرر شعبۂ کلیات، فیکلٹی آف میڈیسن، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی نے بی۔یو۔ایم۔ایس اور ایم ڈی (کلیات) امتیاز کے ساتھ مکمل کرنے کے بعد درس و تدریس کا پیشہ ترجیحی طور پر اختیار کیا تاکہ لکھنے پڑھنے کا سفر اطمینان بخش طور پر جاری رہ سکے۔ کہنے کو ۱۹۸۳ء سے لکھنے کا سلسلہ شروع کیا، لیکن ان کی آج کی تحریروں سے کامیاب مستقبل کی نشاندہی ہوتی ہے۔

حکیم اشہر قدیر بنیادی طور پر سائنس کے اسکالر ہیں اور اردو کی تعلیم صرف آٹھویں جماعت تک حاصل کرنے کا موقع ملا لیکن والدین کی بہترین تربیت، اساتذہ کے فیضان نظر اور ذاتی ذوق و شوق نے ان کے اندر اردو میں اظہار خیال کی حیرت انگیز صلاحیت پیدا کردی، اسے خود اردو زبان کا کمال کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ سائنسی اسناد کے ساتھ ساتھ طب یونانی کی بنیادی قدروں کا احترام بھی انتہائی قابل قدر ہے۔

طب یونانی کا ابر گہربار دنیا کے بیشتر خطوں کو سیراب کرتا ہوا ہندوستان پہنچا اور اسی کو اپنا مسکن بنالیا۔ مرور ایام سے چند در چند مسائل پیدا ہونا ایک فطری امر اور قانون قدرت ہے،

چنانچہ ارباب نظر نے ہمیشہ ان مسائل کو حل کرنے کی طرف بھرپور توجہ کی، رسائل اور جرائد میں اداریے قلمبند کیے گئے۔ حکیم اجمل خاں نے تجدید طب کے لیے جو انقلابی قدم اٹھایا، اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ طب یونانی کا معالجاتی، ادویاتی یا کلیاتی سرمایہ بڑا قابل قدر ہے، اس میں اضافات بھی کم وبیش ہر دور میں ہوتے رہے، تاہم اس کے گوناگوں مسائل کی طرف خاص طور سے عصر حاضر میں، بہت کم لوگوں نے توجہ مبذول کی۔ ایسی صورت میں ہمارے جواں سال طبیب کی یہ جرأت مندانہ پیشکش انتہائی قابل قدر ہے کہ انہوں نے طب یونانی کے مختلف عصری مسائل مثلاً طب اور زبان کا مسئلہ، اصلاح، عصر حاضر میں طب کی افادیت، طب یونانی اور عصبیت، طبی سرمائے کا سرقہ، مطب اور درپیش مسائل سے لے کر طبی تعلیم میں کمپیوٹر کا استعمال ضروری، تک ۱۸ متنوع اور مفید موضوعات پر بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ یہ فکرانگیز مقالات ہمدرد پندرہ روزہ کے صفحات کی زینت بنتے اور ارباب نظر سے خراج تحسین حاصل کرتے رہے ہیں۔ اس دوران جستہ جستہ مضامین میری نظر سے بھی گزرتے رہے ہیں۔ ان میں مطبوعہ مضامین کا مجموعہ نئی آواز نے ہم لوگوں تک نئے انداز میں پہنچانے کا مستحسن قدم اٹھایا ہے۔

طب یونانی اور چیلنجز کی وساطت سے دراصل طب یونانی کو درپیش ان مسائل کی طرف ہمیں متوجہ کرتے ہیں، جو خود مصنف کی عملی زندگی میں گزر چکے ہیں، یا دوسرے لفظوں میں وہ خود ان مسائل سے فی زمانہ دوچار ہیں۔ اس طرح ذاتی تجربہ کی شمولیت نے مقالات میں اختراعی رنگ پیدا کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ مسائل کا حل نہیں، نہ انہیں کلیدی اہمیت دی جاسکتی ہے اور نہ مصنف کی رائے کو کسی پر تھوپا جاسکتا ہے، کیونکہ ایک مسئلہ وہ کسی ایک زاویے سے دیکھتے ہیں اور دوسرا شخص کسی دوسرے زاویے سے۔ زبان ہی کا مسئلہ لے لیجئے۔ "دور جدید میں طلبہ کی مشکلات اور ضرورتوں کو دھیان میں رکھ کر آج کی مروجہ زبانوں خصوصاً ہندی اور انگریزی میں طبی ذخیرہ کو منتقل کرنے کے معاملے میں لوگوں کو اس کا وجود ہی خطرہ میں نظر آتا ہے"۔

تاہم اظہار رائے میں موصوف کے خلوص پر شبہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مابعد تحریروں سے فن سے ان کی والہانہ وابستگی اور اردو زبان سے محبت کا چشمہ پھوٹ رہا ہے، جس سے ان کے ذہنی کرب واضطراب کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آگے چل کر طلبہ کو کم ہی سہی اردو زبان سے

واقفیت کی ترغیب دینے سے بھی وہ گریز نہیں کرتے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب مسائل کا حل نہیں تاہم اتنا ضرور ہے کہ چھپتے سوالات ہمارے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں ضرور موجود ہوتے ہیں خواہ تضادِ فکر بلکہ فکری انتشار کے سبب نہ کھل کر ہم اظہار خیال کر پاتے ہیں اور نہ ہی انہیں حل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ ان مقالات کو پڑھ کر، میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ پھر انہیں مسائل کے متعلق دیگر بے شمار سوالات ذہنی افق پر ابھرنے لگتے ہیں۔ مصنف کی رائے سے اتفاق یا عدم اتفاق کی کے علی الرغم ذہنوں کو متاثر کردینا میرے خیال میں اشہر قدیر کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس طرح بحث وتمحیص، غور وفکر اور ایجاب واسرار کے نئے دریچے کھلیں گے اور بہت سے مسائل حل کرنے کے لیے راستے خود بخود ہموار ہوتے چلے جائیں گے۔

قدرت نے اشہر قدیر کو جوفنی بصیرت اور سوجھ بوجھ مرحمت فرمائی ہے، امید کہ وہ اسے بروئے کار لاتے ہوئے اپنا علمی سفر جاری رکھیں گے۔ فی الحقیقت آج طبی دنیا کو نئے خون کی ضرورت ہے جو ذاتی مفادات اور وقتی شہرت کے جذبے سے بالاتر ہو کر فن کی بقا اور ارتقاء کے لیے برابر کام کرتا رہے۔ مجھے امید ہے کہ اشہر قدیر جب تک خود کو طالب علم سمجھتے رہیں گے، تلاش وجستجو اور مطالعہ کو اپنا وطیرہ بنائے رہیں گے، خودستائی اور خودفکری سے دور رہیں گے، دوسروں کو Underestimate اور خود کو Overestimate نہ کریں گے ترقی کے منازل برابر طے کرتے رہیں گے۔

زبان وبیان کی چند فروگزاشتوں کو چھوڑ کر طب یونانی اور چیلنجز بہت خوب ہے۔ اسلوب نگارش سادہ اور عام فہم ہے۔ ٹائٹل انتہائی خوبصورت اور معنی آفریں ہے۔ اگر ارباب فن انتہائے خلوص کے ساتھ متحد ہو کر طب یونانی کو درپیش مسائل کا حل تلاش کرنے کی سعی کریں گے تو یہ مسائل تار عنکبوت ثابت ہوں گے۔ کاغذ معیاری اور پاکیزہ کمپوزنگ کتابت نے اسے بڑا دیدہ زیب بنا دیا ہے۔ حسن اشاعت کے لیے شاہد علی خان، منیجر مکتبہ جامعہ بطور خاص مستحق مبارک باد ہیں۔ امید کہ ارباب نظر اس کی پذیرائی کریں گے۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، جنوری۔ مارچ، ۱۹۹۸ء)

●●●

بری عادتیں-نقصانات-تدارک

مولف : حکیم محمد مختار اصلاحی علیگ
اشاعت : ۱۹۹۷ء
ضخامت : ۳۰۴صفحات
قیمت : ۱۰۰روپے
ناشر : اصلاحی دواخانہ، فینسی محل، محمد علی روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۰۳
تقسیم کار : اعجاز پبلشنگ ہاؤس، ۲۱۸۱، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲

بلاشبہ ان موضوعات پر جستہ جستہ بہت سے مضامین قارئین کی نظر سے گزرے ہوں گے، تاہم مجموعی حیثیت سے کم وبیش ۳۵ فکر انگیز مضامین کا اتنا حسین گلدستہ آج تک کم از کم اردو دنیا میں نظر سے نہیں گزرا۔ اس طرح یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حکیم محمد مختار اصلاحی نے نہ صرف طبی بلکہ معاشرتی دنیا میں بھی ایک نادر پیشکش کے ذریعہ عوام وخواص دونوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی ہے۔

آج جب کہ معاشرتی سطح پر اس قدر بگاڑ آچکا ہے، عوام تو عوام، خواص تک اخلاقی برائیوں کی گرفت میں آچکے ہیں اور "الناس علیٰ دین ملوکہم" کے مصداق ارباب اقتدار کے اخلاق رذیلہ جس شدت اور جس سرعت سے وبائی شکل اختیار کرتے جارہے ہیں، ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ آج کے دور میں اخلاق حمیدہ کے موضوع پر گفتگو کرنے والا رجعت پسند، بنیاد پرست بلکہ جاہل مطلق اور دیوانہ تصور کیا جاتا ہے۔ جب صورت حال یہ ہو تو کسی ملک کی پستی کا اندازہ لگانے کے لیے کسی سروے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ غالباً یہی اسباب وعلل تھے، جن سے متاثر ہو کر ملک کے نامور طبیب اور ادیب لبیب حکیم

محمد مختار اصلاحی (علیگ) نے بڑے حکیمانہ، بیباکانہ لیکن مشفقانہ انداز میں قلم اٹھایا ہے اور بری عادتوں کی ایک طویل فہرست کا حکیمانہ تذکرہ کردیا ہے۔ بعض اخلاقی برائیاں بظاہر چھوٹی نظر آتی ہیں لیکن عواقب بہرحال انتہائی ضرر رساں ہوتے ہیں، چنانچہ ان کا احاطہ بھی کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

بری عادتیں: دراصل برسوں کے مطالعہ و تحقیق کا ثمرہ ہے۔ لیکن عام روش سے ہٹ کر، یعنی اس میں ذاتی مشاہدات اور اہم تجربات نیز اصلاحی جذبات کی شمولیت نے کتاب کو دو آتشہ بنادیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''بری عادتیں'' ناصحانہ رنگ کے بجائے ادبی چاشنی اور نفسیاتی نیز قدرے طبی انداز لیے ہوئے ہے، جو دلآویز بھی ہے اور پرلطف بھی، جس سے اکثر طبائع غیرمحسوس طور پر قبیح عادات واطوار سے دستبردار ہونے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ ہوجائیں گے اور یہی مصنف کا مطمح نظر بھی ہے۔ آسان اسلوب میں قیمتی مواد کی فراہمی کوئی آسان کام نہیں جو خوداعتمادی کی کلید بھی ہے۔ ظاہر ہے بری عادتیں ترک کرنے کے لیے خوداعتمادی شرط اولیں کی حیثیت رکھتی ہے۔

کتابت وطباعت نہایت پاکیزہ، کاغذ معیاری، ٹائٹل معنی خیز، پرکشش اور رنگارنگ اتنا مفید اور معلومات آفریں مواد اتنی کم قیمت میں فراہم کرنا فی زمانہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، اسے ہم مصنف کے جذبۂ اخلاص وایثار سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

امید کہ زیرتبصرہ کتاب کی عوام وخواص دونوں حلقوں میں بھرپور پذیرائی ہوگی۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، اپریل-جون، ۱۹۹۸ء)

●●●

قومی صحت

مولف : اقبال احمد قریشی
اشاعت : اگست ۱۹۹۷ء
ضخامت : ۳۲صفحات
قیمت : فی شمارہ ۱۰روپے
زرسالانہ: ۱۲۰روپے
ناشر : دفتر ماہنامہ "قومی صحت"، نیوشالیمار، ملتان روڈ، لاہور

ماہنامہ قومی صحت لاہور سے گزشتہ ۶۷ سال سے پابندی سے شائع ہونے والا موقر طبی رسالہ ہے۔ مجلس ادارت میں حکیم سید محمد ادریس بخاری نیز حکیم محمد اعجاز فاروقی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ اس طبی میگزین کو نوجوان اطباء کا بھرپور قلمی تعاون حاصل ہے۔ رسالہ بڑا متنوع اور معلومات آفریں ہے جس کا کچھ اندازہ اس کے مندرجات سے لگایا جاسکتا ہے، جو درج ذیل ہیں:

نیم، اضافی غذائی اجزاء اور ہماری صحت، تمباکو، کافی اور چائے، طبِ یونانی تاریخ کے آئینے میں، مسواک، ذیابیطس کا جڑی بوٹیوں سے علاج، شہد ایک مفید غذا۔

اداریہ حکیم ریاض احمد قریشی کے قلم کا مرہونِ منت ہے جس میں پروفیسر حکیم سید ظل الرحمٰن، سابق ڈین فیکلٹی آف یونانی میڈیسن، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سفرِ پاکستان کی تفصیل اور موصوف کے تقاریری حوالے سے بھارت اور پاکستان میں طبی ارتقا کا موازنہ پیش کیا گیا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان طب یونانی کے سلسلے میں رہنما ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی ہمسری کے لیے پاکستان میں فکری بیداری آچکی ہے، خدا کرے کہ بھارت کی طرح وہاں بھی طب یونانی ترقی کی جانب گامزن ہوجائے۔

نیم اور مسواک کے موضوع پر مضامین بہت مفید اور معلومات آفریں ہیں۔

' ذیابیطس کا جڑی بوٹیوں سے علاج، حکیم ملک محمد عبداللہ نے تحریر فرمایا ہے، جس میں پیاز، کریلہ، میتھی اور سدابہار کی شفا بخشی کا سائنٹیفک تذکرہ تجرباتی بنیاد پر کیا گیا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ معلومات بھی سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن کے ماتحت ادارہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن علی گڑھ کے سروے آف میڈیشنل پلانٹس یونٹ کے ذریعہ فراہم کی گئیں، لیکن افسوس کہ CCRUM کے اس ادارہ یعنی R.R.I.U.M کو خالص مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ایک شعبہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ انداز بیان کمزور ہونے کے باوصف ایک اچھی کوشش ہے۔

طبی دنیا کے ذیل میں جو چیزیں شائع کی گئی ہیں، تاریخ اور وقت کی رفتار سے یکسر آزاد ہیں۔ امید کہ یہ غیر ذمہ دارانہ روش آئندہ ترک کردی جائے گی اور ایڈیٹر صاحب بھی اشاعت سے پیشتر والے فرائض پوری سنجیدگی سے ادا کرکے رسالہ کا معیار بلند کریں گے۔

مجموعی حیثیت سے قومی صحت ایک معیاری رسالہ ہے۔ اس کی اشاعت کی توسیع ہر طبیب پر لازم ہے۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، جولائی۔ستمبر، ۱۹۹۸ء)

●●●

طبیب

مدیر : حکیم سید فضل اللہ قادری
اشاعت : ۱۹۹۷ء
ضخامت : ۱۲۰صفحات
قیمت : برائے طلباء: ۲۵روپے
فی کاپی : برائے اساتذہ: ۳۵روپے
ناشر : گورنمنٹ طبی کالج، پٹنہ۔۸۰۰۰۰۳

زیر تبصرہ شمارہ جناب حکیم محمد شہاب الدین پرنسپل گورنمنٹ طبی کالج، پٹنہ کے پیغام سے شروع ہوکر جناب مسعود اختر کی مدح طبیب پر مکمل ہوتا ہے۔ ابتدائیہ میں مدیر نے طب یونانی کے جن چند اہم ترین امور کی طرف اشارے کیے ہیں، انتہائی قابل قدر ہیں۔ طب یونانی کی اہمیت و افادیت واضح کرتے ہوئے مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی تغافل کیشیوں کا بجا طور پر تذکرہ کیا گیا ہے، ساتھ ساتھ مفید مشوروں سے بھی نوازا گیا ہے۔ جن پر کاربند رہ کر حکومتیں اس فن کو بام عروج پر پہنچا سکتی ہیں۔

گوناگوں موضوعات پر طلبہ اور اساتذہ کے مضامین کا یہ ایک حسین گلدستہ ہے۔ اساتذہ کی تحریریں جہاں دعوت فکر و نظر دیتی ہیں، طلبہ کی تحریروں سے مستقبل کے قلم کار جھانکتے ہیں۔ مدیر حکیم فضل اللہ کا یہ اعجاز کریمانہ ہے کہ طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے بھی کافی گنجائش نکالی گئی ہے۔ مضامین ذیل خاص طور سے قابل مطالعہ ہیں:

ادویہ تریاقیہ پر ایک نادر مخطوطہ (حکیم علیم الدین بلخی)، طبیعت انسانیہ (حکیم راجندر ورما)، علامہ کبیر الدین اور ان کی تصانیف (حکیم سید فضل اللہ قادری)، علامہ کبیر الدین کا شاہکار رسالہ۔

طب قدیم وجدید کی معرکۃ الآرا علمی جنگ کا تعارف (حکیم محمد ضیاء الدین)، تجزیۂ اخلاط جدید روشنی میں (حکیم تبریز اختر لاری)، یرقان (حکیم محمد یوسف)، امراض قلب۔ ایک مطالعہ (ڈاکٹر محمد غیاث الدین)۔ طلبہ کی تحریریں بھی پذیرائی کے لائق ہیں۔ علامہ حکیم محمد کبیر الدین کی حیات اور کارناموں کے موضوع پر مرکزی کونسل برائے تحقیقات طب یونانی نے ایک شاہکار پیش کیا ہے، اس کے مطالعے سے اس موضوع پر لکھے گئے مقالات کو مزید معلومات آفریں اور وقیع بنایا جاسکتا تھا۔

مجلّہ پر ماہنامہ، سہ ماہی، ششماہی حتی کہ سالانہ کا بھی اطلاق نہیں ہوتا، کیونکہ زیر تبصرہ شمارہ پورے چار سال کے وقفہ کے بعد منصۂ شہود پر آیا ہے۔ کسی بھی کالج سے ششماہی مجلّہ تک کی توقع نہیں کی جاسکتی، کیونکہ دیگر سرگرمیوں کے ساتھ اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ممکن ہی نہیں، تاہم سالانہ اشاعت بہرنوع جاری رکھی جاسکتی ہے، لیکن "انجمن خدام طب" اگر فی الواقع کوئی انجمن ہے تو وسائل وذرائع پیدا کرسکتی ہے اور اردو کی اس سرزمین سے ایک ماہانہ یا سہ ماہی رسالے کا اجرا ناممکن بھی نہیں، اس طرح طب یونانی کے حوالے سے ریاست بہار کی بھرپور نمائندگی بھی ہوتی رہے گی اور ارباب قلم کی تربیت نیز حوصلہ افزائی کے لیے ایک فورم بھی مل جائے گا۔

کتابت وطباعت بہتر، کاغذ معیاری، ڈسٹ کور خوبصورت ہے۔ امید کہ ارباب فن پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الٰہ آباد، اکتوبر-دسمبر، ۱۹۹۸ء)

•••

کتابُ الصحت

مولف : اقبال احمد قرشی

اشاعت : فروری ۱۹۹۸ء

ضخامت : ۲۹۴ صفحات

قیمت : ۱۲۰ روپے

ناشر : جام شیریں بلیوارڈ، ۱۵-۳ جی، گلبرگ۔III، لاہور (پاکستان)

شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں جن کی تصانیف طبی وفنی ذخیرہ میں اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کم لوگ ہوں گے جوان کی مشہور کتاب "جامع الحکمت (اول ودوم) سے واقف نہ ہوں۔ آج بھی ان کی کتابوں سے استفادہ کا سلسلہ جاری ہے۔ اقبال احمد قرشی دراصل شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی مرحوم کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں جنھوں نے ابتدائی تعلیم لاہور میں حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم، ایس سی (کیمیکل انجینرنگ) کیا اور شفاء الملک مرحوم کی خواہش پر ۱۹۶۸ء میں یونانی دوا سازی کا آغاز کیا اور آج قرشی انڈسٹریز پرائیویٹ لمیٹڈ کے چیف ایکزیکٹیو ہیں۔ طب کے میدان میں متحرک ترین شخص، طب کی ترویج واشاعت اوراستحکام کے لیے کوشاں نیز طبی دواسازی کے میدان میں ان کا دائرۂ عمل قابل ستائش ہے۔

زیر تبصرہ کتاب دراصل اقبال احمد قرشی کے اس جذبِ دروں کی آئینہ دار ہے کہ پاکستان کی ناخواندہ اور دیہی آبادی کم از کم بنیادی صحتی مسائل سے آگہی حاصل کر سکے، کیونکہ پسماندہ علاقوں کے باشندوں کا نہ صرف معیار زندگی انتہائی پست ہے بلکہ شرح آبادی کی بڑھتی ہوئی رفتار، حکومتی وسائل کی کمیابی کے سبب بیشتر افراد خط غربت سے نیچے کی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں، جہاں نہ صرف تعلیم کی کمی ہے، بلکہ صاف آب وہوا، صحت بخش اور متوازن غذا، طبی سہولیات تک عوام کی

دسترس سے دور ہیں۔

کتاب کا پہلا باب طب اسلامی پر مشتمل ہے جس میں ارشادات نبوی کی روشنی میں حفظان صحت کے زریں اصول مرتب کیے گئے ہیں۔ پھر ہند و پاک میں طب اسلامی کے ء زیر عنوان ایک سرسری تاریخی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں تقسیم ہند سے پہلے کے اطباء ہند کو نمائندگی دی گئی ہے، لیکن افسوس کہ تقسیم ہند کے بعد ہندوستانی اطباء کے تذکرے سے یہ حصہ یکسر خالی ہے۔ حالانکہ تقسیم ہند کے بعد بھی ہندوستان میں طب یونانی میں جو پیش رفت ہوئی، غالبًا پاکستان میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوا۔ اس کے بعد تشریح و منافع الاعضاء کا باب آتا ہے۔ حفظان صحت ص ۱۱۱ تا ۱۶۹ پر مشتمل ہے۔ معالجات ص ۱۷۱ تا ص ۲۶۲ اور اتفاقی حادثات اور ابتدائی طبی امداد ص ۲۶۳ تا ص ۲۹۰ پر مشتمل ہے۔

زیر تبصرہ کتاب اپنے موضوع پر ارمغان کی حیثیت رکھتی ہے۔ حفظان صحت سے متعلق رہنما اصول، پانی کو صاف کرنے کے طریقے، خورد ونوش سے متعلق ضروری ہدایات، غسل کے لیے احتیاطی تدابیر، ورزش سے متعلق مفید ہدایات، متعدی امراض سے روک تھام، ماں اور بچے کی صحت، حیاتین کی افادیت، مریضوں کی غذاؤں سے متعلق ضروری ہدایات، عام امراض اور ان کے ارزاں اور سہل الحصول علاج پر قابل قدر مواد فراہم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف حفظان صحت کے سلسلے میں مفید اور اہم معلومات فراہم کرتی ہے بلکہ چھوٹے موٹے امراض کے گھریلو علاج کے آسان طریقے اور نسخے بھی عطا کرتی ہے۔ صحیح معنوں میں یہ کتاب الصحت دیہی اور شہری باشندوں، کم پڑھے لکھے اور خواندہ افراد کے لیے یکساں مفید اور لائق مطالعہ ہے اور بلاشبہ ہر گھر میں رکھنے اور مطالعہ کے قابل ہے۔ اسلوب بیان شستہ اور آسان۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب، جلد مضبوط سبز رنگ۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، جنوری۔ مارچ، ۱۹۹۹ء)

●●●

طبِّ یونانی (مسائل اور وسائل)

مولف : ڈاکٹر خاور ہاشمی
اشاعت : ۱۹۹۸ء
ضخامت : ۲۷۱ صفحات
قیمت : ۶۰ روپے
ناشر : آل انڈیا یونانی طبّی کانفرنس، ۲۰۷۷، گلی قاسم جان بلی ماران، دہلی-۶

ڈاکٹر خاور ہاشمی صاحب طرز ادیب اور انشا پرداز ہیں۔ اوائل فروری ۱۹۹۲ء میں طبّی دنیا میں داخل ہوئے اور یہیں کے ہوکر رہ گئے۔ اس وقت سے تاحال آل انڈیا یونانی طبّی کانفرنس دہلی سے ممتاز حیثیت سے وابستہ ہیں اور تاحیات وابستگی کی قوی امید ہے، کیونکہ ستائش کی تمنا کے بغیر ملکی سطح پر کانفرنس کو متحرک اور فعال بنانے میں موصوف نے اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔ اب موصوف کو کانفرنس کی ضرورت نہیں بلکہ کانفرنس کو موصوف کی والہانہ خدمات درکار ہیں۔ ظاہر ہے ملک میں طب یونانی کو درپیش مسائل کا جائزہ اور ان کے حل کی راہیں تلاش کرنا کانفرنس کے بنیادی اغراض و مقاصد میں شامل ہیں، لہٰذا موصوف کی حساس طبیعت نے ان کا باریک بینی سے مشاہدہ کرتے اور صفحات قرطاس پر رقم کردینے کو فرض کفایہ تصور کیا، نتیجۃً کار درج ذیل موضوعات پر اہم گہر پارے کتابی شکل میں منصۂ شہود پر آگئے:

۱-آل انڈیا یونانی طبّی کانفرنس (تاریخی پس منظر و پیش منظر)

۲-طب یونانی اور دہلی، ۳-طبّی تعلیم اور ذریعۂ تعلیم، ۴-طب یونانی اور اردو

۵-طب یونانی کا مستقبل، ۶-آل انڈیا یونانی طبّی کانفرنس (پچاس سالہ سرگزشت)

خاور ہاشمی جب طبّی شخصیات سے کسی طور متاثر ہوئے ان کا احاطہ بھی اس کتاب میں بڑے

دلچسپ اور محاکاتی انداز میں کیا ہے۔ قابل رشک شخصیات درج ذیل ہیں:

۱- مسیح الملک حکیم اجمل خاں	:	اپنے ہی ملک میں اجنبی
۲- حکیم عبدالحمید	:	بے نام صحراؤں کا موذن
۳- حکیم ابوالکلام صدیقی	:	ممتاز طبیب اور دلنواز ادیب
۴- پروفیسر حکیم محمد طیب	:	ایک دانشور ایک اسکالر
۵- پروفیسر حکیم سید خلیفۃ اللہ	:	طبی دنیا کے روح رواں
۶- حکیم مظہر سبحان عثمانی	:	کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے
۷- پروفیسر حکیم جمیل احمد	:	طبی دنیا کا ایک معتبر و مستند استعارہ
۸- حکیم محمد خالد صدیقی	:	گریز پالمحوں کا مسیحا
۹- حکیم محمد احمد لاری	:	دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
۱۰- حکیم مشکور احمد	:	ریگستان میں ایک سرسبز نخلستان
۱۱- ڈاکٹر محمد ادریس خاں	:	طبی روایت اور جدیدیت کا ترجمان
۱۲- حکیم مظفر علی سجاد	:	بے مثال طبیب

یوں تو سارے موضوعات اہم ہیں تاہم مسائل کے تحت طبی تعلیم اور ذریعہ تعلیم، طب یونانی اور اردو نیز طب یونانی کا مستقبل اہم ترین عصری تقاضے ہیں، جس سلسلے میں ہاشمی نے بالکل منفرد انداز میں قلم اٹھایا ہے۔ اسی طرح وسائل و مسائل کے ذیل میں جن شخصیات کے سلسلے میں ذاتی تاثرات پیش کیے ہیں پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ محاکاتی انداز بیان نے انہیں دلآویز خاکوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ بالخصوص شخصیات کے ذیل میں جو ذیلی موضوعات درج ہیں، ان سے پوری شخصیت جگمگا اٹھتی ہے مثلاً حکیم عبدالحمید۔ بے نام صحراؤں کا موذن یا حکیم مظہر سبحان عثمانی کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے۔ اگر اس شخصیت سے کبھی ملاقات ہوئی ہو اور سمجھنے بوجھنے کا موقع ملا ہو تو پورا مضمون پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر پہلے ملنے کا موقع نہ ملا ہو تو خاکہ پڑھنے کے بعد ذیلی عنوان کا مفہوم روشن ہو جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بیشتر ذیلی عنوانات

پورے مضمون پر بھاری ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ حکیم وسیم احمد اعظمی نے بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ مسائل بھی یہی لوگ ہیں اور وسائل بھی یہی لوگ۔ یہاں اس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ خاور ہاشمی نے بعض بے ادب شخصیات میں ادیب تلاش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس حقیقت کا اظہار نہ بھی کرتے تو کام چل جاتا، کیونکہ ان کا محور طب یونانی اور طبیب تھا اور اطباء میں تو ارباب قلم اب خال خال رہ گئے ہیں اور جو ہیں بھی نہایت کسمپرسی کے عالم میں۔

ڈاکٹر خاور ہاشمی کہنہ مشق ادیب، دیانت دار اور خوش مزاج شخصیت کا نام ہے۔ وہ امانت میں خیانت نہیں کرتے، اسی لیے کتاب کا انتساب طبّی دنیا کے نام اس اعتماد کے ساتھ کیا گیا ہے۔

"جو کچھ مجھے دیا تھا وہ لوٹا رہا ہوں میں"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد بھی طبّی دنیا نے موصوف کو بہت کچھ دیا ہے اور وابستگی مستقبل میں بھی جاری رہنے کی قوی امید ہے لہٰذا اس فن کی آبیاری کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔

کتاب کا نام پڑھ کر مجھے بیساختہ مولانا مودودی کی کتاب رسائل اور مسائل یاد آگئی۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں بڑا رچاؤ ہے، بذلہ سنجی اور شگفتگی سطر سطر سے ہویدا ہے۔ حالات اور واقعات، تاثرات ومحاکات کی نکتہ آفرینی پر گرفت مضبوط ہے۔ ادبی چاشنی میں مرکزی خیالات گم ہونے کے بجائے مزید نکھر جاتے ہیں۔ زبان سلیس اور انداز نگارش دلفریب ہے۔ کتاب پڑھتے ہوئے قاری ایک دوسری دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔

کاغذ عمدہ، کتابت پاکیزہ اور طباعت معیاری ہے۔ امید کہ طبّی اور ادبی حلقوں میں یکساں پذیرائی ہوگی۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الٰہ آباد، جولائی۔ستمبر ۱۹۹۹ء)

●●●

یونانی-دی سائنس آف گریکو عرب میڈیسن

مولف : پروفیسر جمیل احمد، حکیم اشہر قدیر
زبان : انگریزی
ضخامت : ۸۴صفحات
طابع وناشر : لسٹر پریس رولی بکس

عہد عتیق میں طب کی تحقیق اور پھر قدیم یونان میں اس کی دریافت کے ساتھ ساتھ ۸ویں صدی میں عربوں کے دسترس میں آنے کے بعد طب یونانی نے جو باقاعدہ روپ اختیار کیا، ان پر اجمالی مگر عمومی نظر ڈالتے ہوئے قدیم نقطۂ نظر سے تصور جسم، اس کے خلطی توازن پھران بنیادی عوامل کا تذکرہ جو امراض پیدا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد گھریلو ادویہ پر ایک باب قائم کیا گیا ہے۔ یہ دوائیں قدرتی طور پر ہر جگہ دستیاب اور سہل الاستعمال ہوتی ہیں۔ رنگین تصاویر اور خاکوں سے مزین یہ کتاب لغاتچہ پر بھی مشتمل ہے جو بلاشبہ عالمی سطح پر مطالعہ واستفادہ میں معین ثابت ہوگا۔ اس کے رسمِ اجرا کے موقع پر سفیر یونان نے بجا طور پر فرمایا تھا کہ یہ کتاب طب یونانی کو عالمی سطح پر متعارف کرانے میں کلیدی رول ادا کرے گی۔ کتاب کا روشن پہلو یہ ہے کہ یہ انگریزی زبان میں ہے جو غیر طبی حلقوں میں فن کی رسائی اور تعارف کا باعث ہوگی۔ اس کے علاوہ کتاب کا مواد انتہائی جامع اور مختصر ہے جس سے مصروف ترین شخص بھی کم وقت میں طب یونانی سے آشنا ہوسکتا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر طب یونانی کو عوامی سائنس (پاپولر سائنس) کے طور پر پیش کرنے کا

سہرا پروفیسر جمیل احمد اور اشہر قدیر کے سر ہے۔ امید کہ موصوفین کی مخلصانہ کاوشیں عالمی افق پر قبول عام حاصل کریں گی۔

کاغذ نہایت عمدہ کمپوزنگ قابل رشک نیز کتابت وطباعت روشن ہے۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، اکتوبر-دسمبر، ۱۹۹۹ء)

•••

تشریح الابدان

مولف : ڈاکٹر نفاست علی انصاری
اشاعت : ۱۹۶۹ء
ضخامت : ۳۱۵ صفحات
قیمت : ۱۶۰ روپے
ناشر : مصنف

علم تشریح و منافع الاعضاء کو طبی علوم میں ابتداء سے ہی بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ بقراط وارسطو کے تشریحی کارنامے اس علم کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جالینوس نے تشریحی معلومات کو منظم و مرتب کرنے کا شرف حاصل کیا۔ جالینوس کے بعد ترقی پذیر فن جب اسلامی عہد میں پہنچا تو اس کا نجم طالع چمک اٹھا، چنانچہ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ عرب اطبانے اسے بام عروج پر پہنچا دیا۔ انہوں نے قیاس واستدلال کے بجائے ہمیشہ مشاہدے اور تجربات پر زور دیا۔ عربوں نے نہ صرف جالینوس کی تشریحی معلومات کی پیشکش سائنسی انداز میں کی بلکہ اس کی فروگزاشتوں کو واضح بھی کیا اور بہت سے معرکۃ الآرا اضافات کیے۔

دسویں صدی میں ابوبکر محمد بن زکریا رازی، نویں اور دسویں صدی میں ابوسہل مسیحی، دسویں صدی میں علی بن عباس مجوسی کے انکشافات وتحقیقات کے احاطہ لیے تو دفتر کا دفتر ناکافی ہوگا۔ دسویں صدی ہی میں زہراوی بھی ممتاز حیثیت کا حامل نظر آتا ہے، جسے جدید سرجری کے نئے عہد کا بانی کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ موجودہ سرجری اسی کی تحقیقات اور تشریحی کارناموں کی توسیع ہے۔ گیارہویں صدی میں ابن الہیثم اور شیخ الرئیس بوعلی سینا کو ہم فراموش نہیں کرسکتے۔ موخرالذکر کو افضل المتاخرین ہونے کا شرف حاصل ہے جسے نہ صرف طب کے جملہ شعبوں بلکہ

تشریح کے میدان میں بھی منفرد مقام حاصل ہے۔

ابن سینا کے بعد گیارہویں اور بارہویں صدی کا دور بھی انتہائی درخشاں رہا، اس دور کے اطباء کے کارناموں کو اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ ہر دور میں تشریحی بصیرت کی حامل شخصیتیں پیدا ہوئیں اور انہوں نے پورے عہد کو متاثر کیا مثلاً جبریل بن عبیداللہ، ابن ابی صادق، علی بن عیسیٰ، عبیداللہ بن جبریل، اسمٰعیل جرجانی، ابوالبرکات بغدادی، ابن زہر، ابن رشد، ابن ہبل، عبداللطیف بغدادی۔ اسی طرح تیرہویں صدی کے درخشاں ستارے شرف الدین، ابن القف صاحب کتاب العمدہ، ابن نفیس (موجد نظریۂ دوران خون) ہیں، جن کے تذکرہ کے بغیر تاریخ علم تشریح نامکمل رہے گی۔ بعینہٖ کمال الدین فارسی، منصور بن محمد اور برہان الدین نفیس ۱۳ اویں تا ۱۵ اویں صدی کے نمائندے ہیں۔

متاخرین میں قرشی کی شخصیت علم تشریح میں بہت ممتاز ہے۔ اطبائے قدیم نے مسلسل تحقیقی سفر جاری رکھا۔ اس تحقیقی عمل کے تسلسل نے مغرب کو بھی خوب نوازا، حق تو یہ ہے کہ اگر عربوں نے تشریح کی ٹھوس بنیادیں نہ فراہم کی ہوتیں تو آج ہم مغربی دانشوروں کی فلک بوس عمارتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ گریز اناٹومی ہی نہیں مغرب کی جملہ مایہ ناز تشریحی تصانیف عربوں کی فراہم کردہ ٹھوس بنیاد پر مرتب کی گئی ہیں، حد یہ ہے کہ عصری تشریح پر عربی اصطلاحات تک کی چھاپ موجود ہے۔

ہندوستان میں طبیہ کالجوں میں اردو ذریعہ تعلیم بننے کے بعد اس زبان میں بھی قدیم وجدید تحقیقات کی روشنی میں طبع زاد کتابیں پیش کی گئیں۔ اس سلسلے میں حکیم اجمل خاں کا جذبۂ تجدید طب بہر نوع قابل ستائش ہے جن کی ایما پر حکیم محمد کبیر الدین نے تشریح صغیر وکبیر لکھ کر بہت بڑی کمی پوری کی ہے۔ اسی طرح جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے بھی تشریح جدید پر باقاعدہ کتابیں لکھوائیں اور بیش بہا تراجم کرائے جو برسہا برس وقت کی ضرورت پوری کرتے رہے۔ آگے چل کر کتاب الابدان (حکیم محمد سعید، حکیم نسیم الدین اور حکیم نعیم الدین زبیری)، تشریح الہیکل (حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی)، تشریح الاحشاء (حکیم محمد احمد لاری) کے علاوہ تشریح البدن (حکیم علاء الدین احمد)

منظر عام پر آئیں۔

اب زیر نظر کتاب تشریح الابدان منصۂ شہود پر آئی ہے جسے ڈاکٹر نفاست علی انصاری نے وسیع مطالعے اور ذاتی تجربات کی روشنی میں لکھا ہے۔ ان کی نظر ماضی کے سرمایے پر بھی ہے اور عصری پیش رفت پر بھی۔ انہیں علمی و عملی دونوں میدانوں میں کام کرنے کے مواقع حاصل ہیں۔ موصوف اسٹیٹ تکمیل الطب کالج وہسپتال لکھنؤ میں شعبۂ تشریح کے استاذ اور صدر ہیں، جہاں اپنی نگرانی میں تقطیع نعش کراتے ہیں اور علمی لکچر بھی دیتے ہیں۔ اپنے مطالعہ اور تجربات کی روشنی میں تشریح الابدان (عضلیات) پیش کر کے انہوں نے وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کی ہے، جو سات ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول مبحث عام میں عضلہ کی وجہ تسمیہ پر گفتگو کرتے ہوئے اس امر کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ اردو میں اسے گوشت کیوں کہتے ہیں، یہ غالباً اپنی نوعیت کی اولیں کوشش ہے۔ دوم تا پنجم میں مخصوص اعضا کے عضلات کی وضاحت کی گئی ہے۔ آخر میں اشاریہ اور مستعمل اصطلاحات کی شمولیت سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ حسب ضرورت اسکیچ اور خاکوں سے توضیح و تشریح میں مدد لی گئی ہے۔

کتاب کی ایک ایک سطر سے نفاست صاحب کی نفاست طبع کا پتہ چلتا ہے۔ کمپیوٹر کمپوزنگ اور اعلیٰ طباعت نے کتاب کو انتہائی دیدہ زیب بنادیا ہے اور تشریح جیسے خشک موضوع پر بھی دعوت مطالعہ دیتی ہے۔ امید کہ نصاب کی ایک اہم ضرورت پوری کرنے والی یہ کتاب طلبائے طب اور اساتذہ میں یکساں مقبولیت حاصل کرے گی۔ اس طرح مصنف کے جذبۂ تصنیف و تالیف کی مناسب داد مل سکے گی اور وہ اس فن کے دیگر گوشوں پر بھی راہوار قلم رواں کریں گے۔

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، الہ آباد، جنوری-مارچ، ۲۰۰۰ء)

•••

عظمتِ رازی

مولف : ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
ضخامت : ۱۷۵ صفحات
اشاعت : ۱۹۹۵ء
قیمت : ۶۰ روپے

محمد بن زکریا رازی اور شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا کا تقابلی مطالعہ اطباء تو اطبا مورخین کا بھی محبوب مشغلہ بن گیا ہے لیکن افسوس کہ یہ موازنہ غیر جانب دارانہ ہرگز نہیں رہا، بلکہ اپنے ممدوح کی خوبیوں کو کچھ اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ فریق ثانی کی علمی وفنی شخصیت پر گہن لگتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ طب یونانی پر ان دونوں اطبائے عبقری کے اتنے احسانات ہیں کہ ان سے یہ طب اور اس کے حاملین فن کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ شیخ الرئیس کی القانون فی الطب کو طبی بائبل کا خطاب یونہی نہیں مل گیا، اسے یورپ کے میڈیکل کالجوں اور جامعات میں سات سو سال تک داخل نصاب رہنے کا شرف یونہی نہیں حاصل ہوا تھا، دنیا میں کسی طبی کتاب کی اتنی شرحیں بلا وجہ نہیں لکھی گئیں۔

اسی طرح رازی عملی مطب کی یکتائے روزگار شخصیت کا نام ہے۔ الحاوی الکبیر فی الطب کو اس کی فنی زندگی کا نچوڑ اور عملی مطب کا شاندار کلینکی ریکارڈ کہنا زیادہ درست ہے۔ دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد کی وساطت سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے، اس میں تقریباً جملہ طبی مباحث کا احاطہ کرلیا گیا ہے۔ وہ نہ صرف کلینکی ریکارڈ تیار کرتا چلا جاتا تھا، بلکہ متقدمین کی آرا سے بھی بھرپور استفادہ کرتا تھا، اس کے باوصف ان اقتباسات کی توثیق یا تنسیخ میں اپنی رائے بھی اکثر پیش کرتا ہے اور اس سلسلے میں رازی کبھی شخصیت پرستی کا شکار نہیں ہوا۔ حیرت ہے کہ بقراط کے تجربات ونظریات پر

بے باکانہ اظہار رائے سے بھی گریز نہیں کیا گیا ہے۔ تجربات کے علاوہ اس کی کتاب 'الحاوی الکبیر فی الطب' حوالے اور تحقیق کی بھی ایک معیاری اور مستند کتاب بن گئی۔ مقام مسرت ہے کہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں رازی کی طرف کافی توجہ دی گئی، جس کا آغاز دائرۃ المعارف نے بہت پہلے کر دیا تھا، گزشتہ صدی کے اواخر میں ایران میں جو تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں محمد بن زکریا رازی پر خاص توجہ مبذول کی گئی تھی۔

سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نے الحاوی الکبیر فی الطب کی جملہ ۲۳ جلدوں کے ترجمہ کی مہم کا آغاز کر دیا ہے اور اسی ادارہ نے کتاب المنصوری کا ترجمہ شائع کر کے خراج تحسین حاصل کر لیا ہے۔ پروفیسر حکیم سید علی حیدر جعفری نے بھی الحاوی الکبیر فی الطب کے ملخص ترجمہ کا آغاز کر دیا ہے۔ اب جواں سال ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے بھی اس طرف والہانہ قدم بڑھایا ہے، چنانچہ محمد بن زکریا رازی کی 'کتاب' المرشد کا ترجمہ ترقی اردو بیورو نے بڑے اہتمام سے شائع کیا اور بعد میں "عظمت رازی" کے زیر عنوان ایک مستقل کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی، لکھنؤ کے تعاون سے شائع ہوئی ہے، جسے رازی شناسی کی طرف ان کا دوسرا اقدم قرار دیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام کی نظر عربی ماخذ پر بہت اچھی ہے۔ ان کا تخلیقی شعور بیدار اور بالیدگی کی طرف مائل ہے، وہ جو کچھ لکھتے ہیں کافی عرق ریزی اور عمیق مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں۔ عصر حاضر میں یہ چیزیں بڑی قابل قدر ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ان کے گہرے مطالعہ اور تحقیق وجستجو کا دلکش ثمرہ ہے۔ یہ کتاب پانچ ابواب اور کتابیات پر مشتمل ہے۔

پروفیسر حکیم مودود اشرف شعبہ معالجات، اجمل خاں طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی کا پر مغز مقدمہ بھی بڑا معلوماتی آفریں ہے لیکن حسب ذیل متضاد عبارتیں محل نظر ہیں:

ص۔۱ سطر ۱۴، ۱۵ "رازی نے عمداً اپنے بیان کے لیے سادہ وسہل اسلوب کو پسند کیا اور معالجات کے لیے یہی انداز مناسب بھی تھا"۔

ص۔۱۱ سطر ۲۰، ۲۱ "رازی نے الحاوی میں امراض کے بیان میں جس اسلوب نگارش اور

طرز تحقیق کو اپنایا تھا وہ اتنا مشکل تھا کہ بعد کے دور میں معالجات پر کوئی دوسری کتاب اس طرز پر نہیں لکھی جاسکی"۔

حالانکہ رازی کے بارے میں اول الذکر رائے درست ہے، جبکہ موخر الذکر سے متضاد تاثر پیدا ہوتا ہے۔

کتاب کے باب اول میں رازی کی شخصیت پر گفتگو کی گئی ہے۔ باب دوم میں فنی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے، باب سوم میں علمی وطبی سرمائے کے زیر عنوان اس کی اہم تصانیف متعارف کرائی گئی ہیں۔ باب چہارم افادات رازی پر مشتمل ہے، جس میں محض عربی مقالات کے تراجم شامل کیے گئے ہیں اور مخطوطات کے تحت اس کے وہ اقوال نقل کیے گئے ہیں جو اطباء کے لیے مشعل راہ ثابت ہوسکتے ہیں۔

باب پنجم میں رازی کی تاریخی حیثیت متعین کرنے کی کامیاب سعی کی گئی ہے۔ مختلف مستند مورخین طب کے نقاط نظر سے رازی کا مقام متعین کیا گیا ہے۔

یورپ پر اثرات کے زیر عنوان ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی، استاد شعبۂ انگریزی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی مرتبہ فہرستیں پیش کی گئی ہیں، جو جارج سارٹن کی انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف سائنس کی روشنی میں مرتب کی گئی ہیں۔ (الف) کتب رازی کے تراجم، (ب) کتاب المنصوری کی شروح، (ج) اثرات۔

اس سلسلے میں اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے 'مصنفات و مولفات رازی' اور 'طبیب رے زکریای رازی' کے نام سے دو معرکۃ الآرا کتابیں لکھی ہیں۔ ان سے استفادہ ضروری تھا۔ اس طرح مصنف پر بہت سے رازہائے سربستہ منکشف ہوتے۔ امید کہ آئندہ ایڈیشن میں انہیں بھی پیش نظر رکھا جائے گا۔ کتاب نقش اول ہونے کے باوصف لائق مطالعہ ہے تاہم بعض کتابوں پر ابھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے، مصنف کے تحقیقی وتخلیقی ذہن نیز مستقبل میں کام کرنے کے عزائم کے پیش نظر مزید تحقیقات اور دلچسپ نگارشات کی توقع کی جاسکتی ہے۔

کتاب بلاشبہ انتہائی ذوق وشوق سے لکھی گئی ہے۔ شگفتہ طرز تحریر، عمدہ کتابت، نفیس

طباعت اور خوبصورت جلد قابل ستائش ہے۔ کتاب ہر لائبریری کی زینت بننے کے لائق ہے۔ امید کہ علم و عمل کے حلقوں میں اس کی بھرپور پذیرائی ہوگی اور اس طرح مصنف کا راہوار قلم تیز سے تیز تر ہوکر اردو کے سرمایہ میں گراں قدر اضافہ کا باعث ہوگا۔

کتاب حسب ذیل پتوں سے حاصل کی جاسکتی ہے:

۱- اعجاز پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۶۰ کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی-۲

۲- اسلامک فاؤنڈیشن، ۱۷۸۱، حوض سوئی والان، نئی دلی-۲

۳- مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ-۲

(سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، اپریل-جون، ۲۰۰۰ء)

•••

مبحثِ حمیات

مولف : حمداللہ فراہی
اشاعت : (باراول)، ۱۹۹۹ء
ضخامت : ۱۹۲صفحات
قیمت : ۱۲۵روپے
ناشر : مصنف
تقسیم کار : • نسیم منزل، چوکی مدح گنج، سیتاپور روڈ لکھنؤ
• الطبیب جدید، ۴۳، تالاب گنگی شکل، لکھنؤ

ایک زمانہ بعد "حمیات" جیسے اہم موضوع پر جب ایک خوش پوش اور خوش طبع (طباعت کے اعتبار سے) کتاب سامنے آئی تو بے انتہا مسرت ہوئی، وہ بھی حکیم حمداللہ فراہی کے قلم سے جن کی مستقل تحریروں کا عرصہ سے انتظار تھا۔ ماضی میں انہوں نے "الطبیب" جیسا معیاری مجلہ نہایت جگر کاوی سے نکالا اور ارباب فن سے داد وتحسین حاصل کی تو ایسے بلند حوصلہ طبیب ادیب سے اس طرح کی توقع بیجا بھی نہ تھی۔ علامہ حمیدالدین فراہی کے خانوادے سے نسبت ہی کیا کم تھی، اس پر مستزاد اصاف، ستھرا علمی ذوق اور فنی آگہی۔ حقیقت میں سرزمین راجستھان میں ان کے قیام کو مشق ومزاولت کی منزل قرار دیا جاسکتا ہے، پھر لکھنؤ جیسی ادبی، طبی اور فنی سرزمین پر مراجعت ان کے فکر وعمل کو بالیدگی بخشنے کے لیے انتہائی سودمند ثابت ہوئی۔

تحقیقی وتدریسی اور ادبی وثقافتی مزاج کے حامل حمداللہ فراہی نے حمیات کا نہایت ژرف نگاہی سے مطالعہ کرنے کے بعد عصری علوم سے ہم آہنگ کر کے مبحث حمیات کو بالکل منفرد انداز میں

پیش کیا ہے۔ اختصاص (Specialisation) کو عصر حاضر کے اختراع کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ طب یونانی کے ماہرین نے ہمیشہ عمومی مطالعہ کے ساتھ تخصص کی طرف بھی برابر توجہ دی ہے، مثال کے طور پر حمیات ہی کو لے لیجئے۔ جملہ اطبا نے اسے علیحدہ دباب کے تحت بیان کیا ہے۔ شیخ الرئیس بوعلی سینا نے تو بطور خاص اسے اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے، لیکن بعد میں یہ موضوع جمود و تعطل کا شکار ہو کر رہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ رفتہ رفتہ یہ صرف زیب داستاں کے طور پر داخل نصاب ہو گیا۔ طلبہ و اساتذہ دونوں کی تعلیم و تعلم برائے بیت رہ گئی۔ طلبہ ہی نہیں اساتذہ کی بھی عصری علوم سے آگہی اور قدیم سرمائے سے بیگانگی نے ناقابل تلافی خلاء پیدا کر دیا۔ اس موضوع پر مابعد ادوار میں جتنی بھی نگارشات سامنے آئیں، تحقیقی اسپرٹ سے یکسر خالی ہیں، کیونکہ وہ بحث حمیات کی تشریح و توضیح تک ہی محدود ہیں، عصری معلومات کو سمونے کی کسی نے زحمت نہیں کی۔ صرف حکیم شکیل احمد شمسی کی تحریروں میں تحقیق کی رمق موجود ہے۔ مرحوم نے چند رہنما خطوط کی طرف واضح اشارے بھی کیے ہیں۔ حکیم حمد اللہ فراہی کی جرأت رندانہ کی داد دینی پڑتی ہے کہ نہ صرف اس موضوع پر سابقہ مواد کا انہوں نے باریک بینی اور صبر و تحمل سے مطالعہ کیا، بلکہ عصری تحقیقات و اکتشافات کو بڑے خلوص کے ساتھ ہم آہنگ کرتے چلے گئے۔ اس طرح امید ہو چلی ہے کہ حمیات کے اہم مباحث، جو نہ صرف طلبہ بلکہ اساتذہ کے لیے بھی چیستاں بنے ہوئے تھے، اب دلچسپی کا موضوع بن جائیں گے اور بلاشبہ اطبا اور طلبہ اگر اس موضوع کو موضوع تحقیق و مطالعہ بنائیں گے۔ ان کی دلچسپی اور لگن کے نتیجے میں معالجات میں کامیابی حاصل ہوگی اور نئی اینٹی بایوٹک کی ایجادات اور ان سے پیدا ہونے والے مضر اثرات کے پیش نظر فارما کو پیا سے ان کا اخراج ممکن ہو سکے گا اور اینٹی بایوٹک دواؤں کی ہلاکت خیزیوں کا سلسلہ بند نہیں تو کم تو ضرور ہو جائے گا۔

کتاب بحث عام و خاص کے علاوہ پانچ دیگر اہم مباحث پر مشتمل ہے۔

چنانچہ بحث عام میں روح اور تولید حرارت، حرارت غریزیہ اور اس کے طبعی اور کیمیاوی

ذرائع نیز ضیعان پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔
مبحث اول حمیات اور ان کی درجہ بندی پر مشتمل ہے۔
مبحث دوم میں حمیات یوم کا تذکرہ ہے۔
مبحث سوم میں عفونت اور حمیات خلطیہ/عفنیہ کو بیان کیا گیا ہے۔
مبحث چہارم حمّی دقیہ، حمیات اورام، حمیات وبائیہ اور عام اقسام حمیات پر مشتمل ہے۔
مبحث پنجم میں انقلاب امراض یا فیصلہ کن زمانہ یعنی بحران زیر بحث لایا گیا ہے۔
مبحث خاص جو دراصل کتاب کا تتمہ ہے، اس میں طب یونانی کے معروف محقق حکیم افتخار الحق تکمیلی کی تحقیقات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے نہ صرف اس مفروضہ کی تردید ہوتی ہے کہ طب یونانی کی تحقیق اسپرٹ سے معرا ہے، بلکہ اگر اس دائرۂ کار میں فکر وفن کے نئے زاویے سے حمیات کا جائزہ لیا جائے تو عجب نہیں کہ بہت سی پیچیدہ گتھیاں سلجھ جائیں اور معالجات کے میدان میں ایک انقلاب آ جائے۔ اس تحقیقی ارمغان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے فن کے تشخص کو از اول تا آخر برقرار رکھا ہے۔

اب چند امور کی طرف توجہ مبذول کرانی ضروری ہے:

- حسب ذیل مباحث کو طاق کے بجائے جفت صفحات پر جگہ دی گئی، جو نظر کو بری طرح کھٹکتی ہے:
- اول، دوم، چہارم اور پنجم

محض چار صفحات کو قربان کر کے یہ سقم بآسانی دور کیا جا سکتا تھا، یا پھر مواد میں مناسب اضافہ کر کے جگہ پر کی جا سکتی تھی۔

- ذبول کا موزوں متبادل انگریزی میں Wasting ہے نہ کہ Decline (ص: ۱۹۳)، جب کہ موخر الذکر کے لیے انحطاط موزوں ترین لفظ ہے۔
- تاکّل کے لیے Phagedemic کے بجائے Erosion موزوں ترین لفظ

ہے(ص:۱۲۷)۔

- استفراغ و تنقیہ کے لیے Evacuation موزوں ہے نہ کہ Excretion of waste products، یہ وضاحت ہوئی نہ کہ اصطلاح (ص:۵۱)۔
- بعض مقامات پر اردو اور انگریزی میں یکسانیت نظر نہیں آتی مثلاً ص:۱۳۱ پر اگر اردو میں تنبّع ہے تو انگریزی میں کیوں نہیں؟
- تلطیف و تغلیظ کی انگریزی اصطلاحات کیوں نہیں (ص:۷۹)
- اسی طرح سہو کتابت کی بھی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ مثلاً:

ص:۳۸ پر Sensitive کے بجائے Seneative درج ہے۔

ص:۸۱ پر Diarrhoea کے بجائے Diarheea درج ہے۔

ص:۱۲۶ پر جس کے معنی کے بجائے جس معنی درج ہے۔

ص:۱۵۷ پر کیلی کے بجائے کیکی درج ہے۔

اسی طرح بعض مقامات پر انگریزی اصطلاحات بین القوسین لکھی گئی ہیں۔ بعض مقامات پر قوسین سے آزاد، جب کہ یکسانیت کی غرض سے از اول تا آخر اس کا التزام کرنا چاہیے۔

مجموعی حیثیت سے کتاب بڑی عرق ریزی سے لکھی گئی ہے، جو مصنف کے وسیع مطالعہ اور عصری آگہی کی غماز ہے اور تشنگان علم کو بلاشبہ نیا فنی شعور عطا کرے گی۔ انداز بیان انتہائی دلچسپ ہے، جس سے حمیات جیسا خشک موضوع بھی طلبہ کے لیے دلچسپی کا سامان بن جائے گا، زبان فنی ہونے کے باوجود سلیس اور عام فہم ہے۔

کتابت پاکیزہ، سہو کتابت سے گو کہ کلیۃً محفوظ نہیں، تاہم کافی حد تک محفوظ ضرور ہے۔ کاغذ اور طباعت نہایت معیاری، ہارڈ باؤنڈ جلد پر معنی آفریں اسکیچ۔ امید کہ علمی و فنی حلقوں میں اس کی بھرپور پذیرائی ہوگی اور اس موضوع کی جانب ان کا رجحان فنی عرفان کے ساتھ آگے بڑھے گا۔ اس طرح طلبہ و اساتذہ کے جذبۂ مطالعہ اور تعلیم و تدریس کی تسکین ہو سکے گی۔ امید کہ ملک کے

طبّی اداروں کی لائبریریوں میں بھی اس کی زیادہ سے زیادہ جلدیں فراہم کی جائیں گی، جس سے ایک طرف اگر مستحق طلبہ استفادہ کرسکیں گے تو دوسری جانب مصنف کے جذبۂ تصنیف وتالیف کی مناسب داد مل سکے گی۔

(سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، جولائی-ستمبر، ۲۰۰۰ء)

•••

تاریخ طب واخلاقیات

مولف : حکیم اشہر قدیر
اشاعت : طبع اول، ۲۰۰۱ء
ضخامت : ۲۸۸ صفحات
قیمت : ۱۳۰ روپے
ناشر : مصنف
ناشر : ۱۵۷/اے، غفار منزل، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
رابطہ : ۶۳۲۰۷۴۳

حکیم اشہر قدیر طبی دنیا میں نو وارد اور کہنہ مشق ہیں۔ نو وارد اس لیے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے طب یونانی کی اعلیٰ تعلیم (ایم۔ڈی) کی تکمیل کے بعد فیکلٹی آف یونانی میڈیسن، جامعہ ہمدرد کے ڈپارٹمنٹ آف کلیات میں لکچرر کے فرائض انجام دینے لگے، کہنہ مشق اس لیے کہ بساط قرطاس پر بہت جلد اشہب قلم دوڑانے لگے، گوکہ اس میں اعتماد کے ساتھ ساتھ ابتدا میں سراسیمگی کا تناسب زیادہ رہا، لیکن چکی کی مشقت کے ساتھ مشق سخن کا سلسلہ بھی بہر حال جاری رہا، گوکہ پڑھنے لکھنے کا شوق خانوادے کی دین تھی، تاہم تدریس سے وابستگی نے ان کے ساز تفکر کی لے تیز کردی، بہت سارے طبی مسائل ان کے سامنے چیلنج بن کر ابھرے۔ یہ بات نہیں ہے کہ قدمانے ان مسائل کی چیرہ دستیوں کو محسوس نہیں کیا۔ بلاشبہ انہیں بھی ان کا شدومد سے احساس تھا اور اپنے وقت کے اعتبار سے انہیں حل کرنے کے لیے بھی برابر کوشاں رہے ہیں، لیکن ایک بیباک ادیب طبیب کا قلم پہلی بار مکمل جامعیت کے ساتھ اٹھا، چنانچہ ان کی تالیف 'طب یونانی اور چیلنجز' نے اطباء کے خوابیدہ ذہنوں میں بیداری کی لہر دوڑادی اور کتنے ارباب فکر ونظر کچھ نہ کچھ سوچنے

پر مجبور ہوگئے۔

'طب یونانی اور چیلنجز' کی اشاعت کے بعد طب یونانی کی اساس وافادیت سے عوام اور علمی دنیا کو متعارف کرانے کے لیے بین الاقوامی زبان یعنی انگریزی کا سہارا لیا اور 'یونانی دی سائنس آف گریکو عربین میڈیسن' لکھ کر وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کی۔

زیر تبصرہ کتاب "تاریخ طب و اخلاقیات" ان کا تیسرا شاہکار ہے، جسے جدید نصابی ضرورت کی تکمیل کی جانب ایک اہم قدم بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ تحقیق و تدقیق، غور و تخمص حکیم اشہر قدیر کا مزاج بن گیا ہے۔ طب قدیم کے رموز و نکات پر ہمیشہ تنقیدی نظر ڈالتے رہتے ہیں، تاہم روایات کے بھرپور احترام کے ساتھ، جس میں تنقیص کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو تنقید کے پس پردہ معاملہ کی تہ تک پہنچنے کی سعی کارفرما نظر آئے گی۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس بحر ناپیدا کنار کی غواصی کے بعد جو گوہر بے بہا ہاتھ آئیں ان سے نہ صرف خود متمتع ہوں، بلکہ علمی وفنی دنیا کو بھی دعوت فکر و نظر دیں۔ بقول حکیم وسیم احمد اعظمی:

> "وہ اپنی روشنی طبع کی وجہ سے بعض اوقات ہراساں ہونے کی حد تک پریشاں دکھائی دیتے ہیں، لیکن ان کا جہد مسلسل اور ذہنی ارتکاز انہیں سچ کی تلاش میں کامرانی سے ہمکنار کرادیتا ہے"۔

سنٹرل کونسل آف انڈین میڈیسن کے مدونہ جدید نصاب تعلیم کی پابجائی کی غرض سے تاریخ طب اور اخلاقیات کے موضوع پر لکھی جانے والی یہ اولیں کتاب چار مختلف ابواب پر منقسم ہے۔ پہلے باب میں طب کے قدیم دور پر مختصر مگر جامع روشنی ڈالی گئی ہے، دوسرا باب قرون وسطی پر مشتمل ہے، تیسرا باب طب یونانی کے ہندوستانی دور پر محیط ہے اور چوتھے باب میں طبی اخلاقیات پر گفتگو کی گئی ہے۔ حکیم اشہر قدیر کا فنی شعور اور طبی وجدان بالیدگی کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ ان کی تحریروں میں حزم واحتیاط اور عزم واعتماد کی بھرپور جھلک موجود ہے۔

اگر مطالعہ و تحقیق کا یہ ذہن اور عملی سفر جاری رہا تو مستقبل میں اس جواں سال مصنف سے فن کی بہت کچھ آبیاری کی پیش قیاسی کی جاسکتی ہے۔

تمام تر محاسن کے باوصف کتاب میں چند تسامح راہ پاگئے ہیں، جو ممکن ہے تعجیل کا ثمرہ ہوں جن کی طرف نشاندہی بہر حال ضروری ہے۔

ص ۲۳۵،س ا،میر محمد مومن استرابادی کے بجائے محض میر مومن لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ص ا۱۷،س ۵، دوسرا اور مقبول ترین ترجمہ علامہ کبیر الدین نے کیا ہے لیکن یہ صرف جلد اول اور دوم تک محدود ہے"۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی میں جس طرح شاہ اور گرونر کے تراجم محض کلیات قانون یعنی جلد اول کے ترجمہ وشرح تک محدود ہیں اسی طرح علامہ حکیم محمد کبیر الدین کا ترجمہ بھی صرف کلیات تک محدود رہا، یہ اور بات ہے کہ یہ صرف ترجمہ ہی نہیں شرح بھی ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔

"ترجمہ وشرح کلیات قانون"

ظاہر ہے کلیات "القانون فی الطب" کی جلد اول تک ہی محدود ہے، جلد دوم تو ادویہ مفردہ پر مشتمل ہے چونکہ ترجمہ کے ساتھ شروح وحواشی کے سبب اس کی ضخامت بہت بڑھ گئی تھی، اسی لیے علامہ نے اس پہلے حصہ کے ترجمہ وشروح کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا اور یہی عمل غالباً غلط فہمی کا سبب بنا۔

ص ۱۷۶ پر ابوالقاسم زہراوی کی ' کتاب التصریف' کے حصۂ جراحت کے تعارف کے وقت spink and Levis کا حوالہ نہ دینا بہت بڑی کمی کا احساس دلاتا ہے، جس نے Albucasis on Surgery and Instruments جیسی معرکتہ الآرا اور مصور کتاب لکھ کر اس دور کے اطباء اور مورخین کی جانب سے گویا کہ فرض کفایہ ادا کر دیا۔

ص ۸۹-۱۸۷- ابن رشد کی کتاب الکلیات (عربی متن) اور اردو ترجمہ مرکزی کونسل برائے تحقیقات طب یونانی، نئی دہلی نے علیحدہ علیحدہ جلدوں میں شائع کر کے وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کی ہے۔ کتاب التصریف کی طرح اس کا حوالہ بھی ضروری تھا۔

ص ۱۹۸-۱۹۵،ابن بیطار کی کتاب کا اصل اور مکمل نام "کتاب الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ" ہے نہ کہ 'کتاب جامع المفردات'۔ اس کے اردو ترجمہ کا حوالہ بھی ضروری تھا، جیسے سی۔سی۔آر۔یو۔ایم

نے عربی متن مطبوعہ قاہرہ کی بنیاد پر کرایا ہے۔ اس کتاب کی اول تین جلدیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں، چوتھی اور آخری جلد طباعت کے مرحلے میں داخل ہونے والی ہے (پس نوشت: چوتھی جلد بھی شائع ہو چکی ہے اور اب اس کا مکمل اردو ترجمہ چار جلدوں میں دستیاب ہے۔)

ص ۲۵۱، خاندان عزیزی کو انگریزی میں Aziz Family، ص ۲۵۴، خاندان شریفی کو Sharif Family نیز ص ۲۶ پر خاندان عثمانی کو Usman Family لکھنے کے بجائے اردو کا رویہ ہی اپنانا چاہیے تھا۔

ص ۲۶۳، س ۱، حکیم حماد احمد عثمانی، کے بجائے اصل نام 'حکیم حماد عثمانی'، پر ہی کتفا کرنا چاہیے تھا۔ اس طرح کے حذف و اضافے مستقبل کے مورخ کے لیے زحمت کا باعث بنتے ہیں۔

ص ۲۶۰ حکیم احمد حسین الٰہ آبادی کے بجائے حکیم احمد حسین عثمانی لکھا گیا ہے، جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے زندگی میں محض ایک دفعہ 'العثمانی' لکھا تھا۔

ص ۲۶۲، س ۳، ایونگ کرسچین کالج، کے بجائے ایونگ کرسچین کالج درست ہے، غالباً سہو کتابت سے ایسا ہو گیا۔

ص ۲۸۴، 'تاریخ طب واطبا، دور مغلیہ' کا مصنف کسی الطاف حسین اعظمی کو قرار دیا گیا ہے، جب کہ اصل نام الطاف احمد اعظمی ہے۔

لیکن ان چند معمولی فروگزاشتوں کے باوصف کتاب انتہائی عرق ریزی اور دیدہ وری کے ساتھ لکھی گئی ہے، اس سے نہ صرف مجوزہ نصاب کی باحسن الوجوہ پابجائی ہوگی، بلکہ حوالے کی چیز بھی ثابت ہوگی۔ اسلوب نگارش نہایت دلنشیں ہے جس سے تاریخ ایسا خشک موضوع بھی دیگر مضامین کی طرح دلچسپی کا عنوان بن جائے گا۔

کتاب کا انتساب ''امی'' کے نام ہے، جوان کی سعادتمندی کی دلیل ہے اور اسی میں ان کی کامیابی کا راز بھی پنہاں ہے۔ 'تقدمہ' حکیم وسیم احمد اعظمی کے قلم کا مرہون منت ہے اور بہت خوب ہے۔ سنٹرل کونسل آف انڈین میڈیسن کی ایجوکیشن کمیٹی کے چیئرمین پروفیسر جمیل احمد نے کتاب کی افادیت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اس طرح طلبہ اور اساتذہ دونوں پوری طمانیت اور

وثوق کے ساتھ اس کا مطالعہ کر سکیں گے۔

تاریخ طب و اخلاقیات کی کتابت و طباعت قابل دید اور کاغذ معیاری ہے۔ امید کہ تدریسی اور علمی وفنی حلقوں میں اسے بنظر استحسان دیکھا جائے گا اور مصنف کے جذبہ تحقیق وتصنیف کی مناسب داد مل سکے گی۔

(سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، جنوری - مارچ، ۲۰۰۱ء)

•••

کتاب المفردات

مولف : اقبال احمد قاسمی

اشاعت : باراول، ۲۰۰۱ء

ضخامت : ۲۴۴صفحات

قیمت : ۱۲۵روپے

تقسیم کار : یونیورسل بک ہاؤس، ۳۰عبدالقادر مارکیٹ، نزد اے، ایم، یو، شمشاد مارکیٹ، جیل روڈ، علی گڑھ، ۲۰۲۰۰۱

ملنے کا پتہ : الحکمۃ فاؤنڈیشن، نیولوکو کالونی، علی گڑھ۔۲۰۲۰۰۱

مطالعہ وتحقیق اور تلاش وجستجو اطبائے یونانی کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ابوالطب بقراط سے لے کر عصر حاضر تک علم الادویہ اور اس کے مختلف شعبے ماہرین طب یونانی کی دلچسپی کا مرکز ومحور بنے رہے، چنانچہ پانچویں صدی قبل مسیح میں ہی بقراط نے نہ صرف علم الامراض کو توہمات سے نجات دلائی، بلکہ اس نظام کا مکمل لائحہ عمل مرتب کر کے مستقبل کے معالجین ومحققین کے لیے وہ رہنما خطوط ونقوش چھوڑ گئے جن پر نہ صرف طب یونانی بلکہ طب مغرب کی بھی اساس ہے۔ ابوالطب بقراط نے علاج بالدواء اور علاج بالغذا کا واضح نظریہ بھی پیش کیا۔ اسی طرح پہلی صدی عیسوی میں دیسقوریدوس نے علم الادویہ کی اولیں کتاب 'کتاب الحشائش' لکھی، جو آگے چل کر جدید میٹریا میڈیکا کی بنیاد بنی۔ بقراط نیز دیگر حققدمین کی تحقیقات دوسری صدی عیسوی میں جالینوس کے لیے مشعل راہ بنیں، بالآخر اس نے بھی دیگر شعبوں کی طرح طب کی اس اہم شاخ کو بھی شادابی عطا کی۔ اس طرح چراغ سے چراغ جلتے رہے اور آنے والی نسلیں اس روایت کو آگے بڑھاتی رہیں، جس کے نتیجے میں اس موضوع پر

بحر زخار معرض وجود میں آگیا۔ مثال کے طور پر ابوالحسن علی بن سہل ربن طبری (فردوس الحکمت)، ابوبکر محمد بن زکریا رازی (الحاوی الکبیر فی الطب ج ۲۲-۲۰)، علی بن عباس مجوسی (کامل الصناعہ ج ۲)، ابوسہل مسیحی (کتاب المأة)، (ابوالقاسم زہراوی (کتاب التصریف)، شیخ الرئیس عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا (القانون فی الطب، ج ۲)، ابوریحان البیرونی (کتاب الصیدنہ)، الکندی، ابن وافد (کتاب الادویۃ المفردہ)، ابن جزلہ (منہاج البیان فیما یستعملہ الانسان)، شرف الدین اسمٰعیل جرجانی (ذخیرہ خوارزم شاہی، ج ۱۰)، ابن رشد (کتاب الکلیات)، ابن بیطار (کتاب الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ)، حاجی زین العطار (اختیارات بدیعی)، داؤد انطاکی (تذکرہ اولی الالباب)، ابن ہبل بغدادی (کتاب المختارات فی الطب، حصہ دوم)، رستم جرجانی (ذخیرہ نظام شاہی)، میر محمد مومن استرآبادی، (اختیارات قطب شاہی)، امان اللہ خاں (گنج بادآورد)، محمد نجم الغنی (خزینۃ الادویہ)، اعظم خاں (محیط اعظم) پھر بیسویں صدی میں محمد عبدالحکیم (بستان المفردات)، محمد کبیر الدین (مخزن المفردات)، افتخار الحق تحمیلی (ادویۂ یونانیہ)، مظفر حسین اعوان (مفردات ادویہ)، سید صفی الدین علی (یونانی ادویۂ مفردہ) اور محمد رفیق الدین (کنز الادویہ) وغیرہ کے علاوہ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نے بھی ابن بیطار کی الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ کا اردو ترجمہ شائع کر کے بڑا اہم کام کیا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کے مولف حکیم اقبال احمد قاسمی کی رسائی براہ راست اصل ماخذ تک ہے۔ موصوف عربی و فارسی کے منتہی ہونے کے ساتھ ساتھ طب یونانی کے بھی اس معنی میں منتہی ہیں کہ دو مضامین، علم الادویہ اور معالجات میں ایم ڈی ہونے کا انہیں شرف حاصل ہے۔ نصف درجن سے زائد کتابوں کے مصنف اور متعدد مقالات کے خالق بھی ہیں۔ انگریزی زبان سے کماحقہٗ واقفیت کے ساتھ ساتھ اردو تحریریں عصری حسیت کی بھرپور غماز رہتی ہیں۔ اسی لیے تدریسی فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا اشہب قلم بھی رواں دواں رہتا ہے۔ ان کے فکر و نظر، تحریر و تقریر میں جدید رجحانات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اقبال احمد قاسمی کو قدیم ذخائر سے بھرپور استفادہ کی صلاحیت اور مواقع میسر ہیں۔ وہ جو کچھ لکھتے ہیں مطالعہ و تحقیق اور غور و فکر کے

بعد ہی لکھتے ہیں۔ چونکہ ایم۔ڈی کے بعد مرکزی کونسل برائے تحقیق طب یونانی سے اپنی ملازمت کی ابتداء کی اور بعد میں تدریس کو اپنا مشغلہ بنایا۔ لہٰذا تحقیق و تدریس دونوں کی خو، بو کا کتاب المفردات پر مرتب ہونا ناگزیر تھا۔

زیر تبصرہ کتاب روایت سے قدرے ہٹ کر لکھی گئی ہے، جو کسی صداقت نامہ یا مقدمہ کی مرہون منت نہیں، بلکہ "حرفے چند" کے علاوہ "تقدمہ" بھی بقلم خود ہے، جو مصنف کے فن پر بھرپور اعتماد کی غمازی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اگر کسی کتاب میں قابل قدر مواد موجود ہے اور تحریر میں جان ہے تو "مشک آنست کو خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" کے مصداق حلقۂ علم وفن سے درجۂ استناد حاصل کرلے گی۔

طلبہ کالجوں کی عصری ضروریات کے پیش نظر یہ کتاب لکھی گئی ہے، جس کے تقدمہ میں مزاج و درجات مزاج ادویہ، دواؤں کے حصول و تحفظ، ان کی عمروں، مضر و مصلح، ابدال ادویہ اور افعال ادویہ وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر مختصر مگر جامع گفتگو کی گئی ہے۔ ان بنیادی امور کو اگر ذہن نشین کرلیا جائے تو ادویہ مفردہ کا مطالعہ واستفادہ نہ صرف طلبہ، بلکہ اساتذہ اور عام عالمین فن کے لیے بھی آسان ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سے عدم واقفیت کی صورت میں نہ صرف یہ کہ ذہن پراگندگی کا شکار ہوسکتا ہے، بلکہ ادویہ مفردہ کے افعال وخواص تک کی تفہیم میں گوناگوں الجھنیں پیش آسکتی ہیں۔

اب ذرا دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈالتے چلیں۔

ص ۴، س ۳۔ فہرست ادویہ، کے بجائے فہرست حروف ادویہ موزوں تھا، کیونکہ یہاں محض حروف تہجی کے اعتبار سے فہرست مرتب کی گئی ہے، دواؤں کے نام درج نہیں ہیں۔

ص ۴، س ۲ تا ۴۔ بار بار صفحہ لکھنا انتہائی فرسودہ اور متروک طریقہ ہے جو بالکل کلاس نوٹ کے مماثل ہے۔ صفحات کے کالم میں اوپر ذیلی سرخی کے طور پر ایک بار "صفحات" لکھنا کافی تھا۔

بہت سی دواؤں کے مرکبات ندارد، مثلاً ہیرا، ہلیل کلاں، بیروج، کنگھی، کنوچہ، کنول گٹہ، ریوند چینی، سورنجان شیریں و تلخ، غرب، فرنجمشک، فلفل سرخ اور کبر۔

کیمیاوی اجزاء کہیں اردو میں لکھے گئے ہیں تو کہیں انگریزی میں، ان میں بھی یکساں رویہ اختیار کرنا چاہیے تھا، کیونکہ کتاب بہرحال اردو زبان میں لکھی گئی ہے، تاہم غیر معروف اجزاء کے نام انگریزی میں بھی (بین القوسین) لکھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

متعدد دواؤں کے ذیل میں کیمیاوی اجزاء کا ذکر ہی نہیں، مثلاً روغن بید انجیر، رسوت زرد، ساذج ہندی، سپستاں، سقمونیا، سنگھاڑا، سورنجان شیریں و تلخ اور مدار۔

عنوانات ذیل محل نظر ہیں:

ص ۱۲۶ ست اجوائن اور ص ۱۲۷ ست پودینہ۔

کیونکہ تذکرہ اجوائن کا من حیث المجموع ہو رہا ہے، محض اس کے ست کا نہیں، اس کا بیان تو ضمناً آہی جاتا۔ اسی طرح اگلے صفحہ پر بیان پودینہ کا ہے محض ست پودینہ کا نہیں۔ گو کہ اختتام پر لکھا ہے، "دیکھیے "پودینہ"، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ "پ" کی تقطیع میں اس نام کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ 'ن' کی تقطیع میں 'نعناع' موجود ہے۔

ادویہ کی تعداد ۳۵۰ تک محدود ہے، غالباً نصابی نقطۂ نظر سے ایسا کیا گیا ہے۔ کمی اعتبار سے بھی مزید معلومات کا اضافہ کیا جاسکتا تھا۔ یہ کتاب مصور (Illustrated) ہوتی تو کچھ اور بات ہوتی۔ اس کا وعدہ مصنف نے راقم الحروف سے بھی کیا تھا۔ جڑی بوٹیوں اور دیگر معدنی و حیوانی ادویہ کے رنگین فوٹو گراف کی فراہمی اور شمولیت عصر حاضر میں کوئی بڑا مسئلہ بھی نہیں رہا۔ اس سے کتاب کی قیمت ضرور بڑھ جاتی، لیکن اس کی صوری و معنوی خوبیوں میں مزید اضافہ ہو جاتا اور اس طرح کتاب المفردات نہ صرف انڈر گریجویٹ، بلکہ پوسٹ گریجویٹ سطح کے طلبہ کے لیے بھی لائق استفادہ بن جاتی۔

کتاب کے اختتام پر ادویہ مفردہ کی ایک جامع فہرست (انڈیکس) کی کمی محسوس ہوتی ہے، حکیم محمد کبیر الدین، حکیم مظفر حسین اعوان اور حکیم سید صفی الدین علی کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، جنھوں نے دواؤں کے جملہ نام ممکنہ حد تک درج کرنے کی سعی کی ہے۔ اس طرح کم پڑھا لکھا آدمی بھی مطلوبہ دوا تک بآسانی پہنچ سکتا ہے۔

مذکورہ بالا چند تسامحات کے باوصف کتاب انتہائی دیدہ ریزی اور مطالعے کے بعد لکھی گئی ہے۔ کتابت و طباعت بھی دیدہ زیب ہے، سہو کتابت برائے نام۔ معیاری کاغذ، مجلد اور خوبصورت ڈسٹ کور نے اس کی صوری خوبیوں میں اضافہ کردیا ہے۔ امید کہ طبیہ کالجوں میں اس کی بھرپور پذیرائی ہوگی اور جلد ہی اس کے مزید ایڈیشن سامنے آئیں گے۔

(سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، جولائی-ستمبر، ۲۰۰۱ء)

●●●

امراضِ جراحیہ اور یونانی مطب

مصنف : ڈاکٹر عبدالناصر فاروقی
اشاعت : طبع اول ۲۰۰۰ء
ضخامت : ۱۳۹ صفحات
قیمت : درج نہیں
ناشر : فیصل پبلی کیشنز، دیوبند

ڈاکٹر عبدالناصر فاروقی کو میں اس وقت سے جانتا ہوں، جب وہ صحیح معنوں میں طفل مکتب تھے، تاہم افتادِ طبع کی پیش قیاسی اس وقت بھی کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ آج تدریس وتحریر کے میدان میں پورے اعتماد کے ساتھ ارتقائی مراحل طے کر رہے ہیں، اختراعی ذہن کبھی کبھی فروگذاشت کا شکار بھی ہو جاتا ہے تاہم پیش رووں کی تحریروں یا سینئر معاصرین کے مشوروں کی روشنی میں جلد ہی لغزش پا رفع بھی ہو جاتی ہے۔ ناصر فاروقی اکتسابِ علم وفیض کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کی پہلی تالیف "اطبا کے حیرت انگیز کارنامے" جب راقم الحروف کے سامنے تقدمہ لکھنے کی غرض سے آئی تو اس بات کی ضرور مسرت ہوئی کہ موصوف لکھنے پڑھنے کا پاکیزہ ذوق بھی رکھتے ہیں، تاہم چونکہ اردو زبان میں اس موضوع پر دو معروف اطباء کی کتابیں یعنی حکیم محمد طیب (اطبائے قدیم کے کلینکی مشاہدات) نیز حکیم محمد مختار اصلاحی (اطبا اور ان کی مسیحائی) نظر سے گذر چکی تھیں اسی لیے بہت زیادہ متاثر نہیں ہوا، پھر بھی ان کے مستقبل سے مایوس نہیں تھا۔ چنانچہ زیر نظر کتاب یعنی "امراض جراحیہ اور یونانی مطب" نے میری اس توقع کی توثیق کر دی، جو ان کے ابھرتے ہوئے اختراعی ذہن کی غماز ہے۔

اس حقیقت کے علی الرغم کہ طب یونانی میں عملیہ (سرجری) کا تصور ابتداء سے ہی موجود ہے

اور اطبا نے اسے عربی دور میں ہی درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ ناصر فاروقی نے عام روش سے ہٹ کر ان جرحی مسائل، امراض و عوارض کو اپنی تحقیق و مطالعہ کا محور بنایا ہے، جن کا کسی نہ کسی درجہ میں دوائی علاج بھی طب یونانی کے دامن میں موجود ہے۔ اس کے لیے بہر حال تعمق نظر اور وسعت مطالعہ کی ضرورت تھی۔ جس کا حق مصنف نے ایک حد تک ادا بھی کیا ہے، پھر بھی اس موضوع پر کام کرنے کی ہنوز کافی گنجائش موجود ہے، جس کے لیے باذوق اور ارباب قلم اطبا کو آگے آنا چاہیے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج کی معروف ترین اور برق رفتار زندگی میں ہر مریض کی آرزو ہوتی ہے کہ بلا تاخیر مرض سے نجات پا جائے، جس کے لیے اکثر وہ جراحیات کبیرہ تک انگیز کرنے کے لیے آمادہ نظر آنے لگتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت سے جرحی امراض کا جب دوائی علاج میسر آ جاتا ہے تو بیشتر مریض جو مردہ بدست زندہ کی تصویر بنے ہوتے ہیں، طمانیت اور مسرت کی عجیب کیفیت سے دوچار ہو جاتے ہیں کہ جان بچی لاکھوں پائے۔ آج جہاں ارتقائی مراحل طے کرتے کرتے سرجری بازیچۂ اطفال بن گئی ہے وہیں تجارتی حدود میں بھی اس فن نے قدم رکھ دیا ہے، چنانچہ اکثر بزنس کی حد تک ان حالات میں بھی سرجری مسلط کر دی جاتی ہے، جب کہ متبادل راستوں کے امکانات پر غور و تحقیق کے راستے ابھی مسدود نہیں ہوتے ہیں۔ آج کی ترقی پذیر اور ترقی یافتہ دنیا کو ان مخلص اطباء کو خراج تحسین پیش کرنا چاہیے جو جراحیات صغیرہ تو درکنار، جراحیات کبیرہ کے اصابات کے انتہائی مدارج میں بھی دوائی معالجہ کے امکانات کا بھرپور جائزہ لیتے تھے اور صرف آخری چارۂ کار کے طور پر ہی جرحی مداخلت کرتے تھے، کیونکہ جراحت (عملیہ) مریضوں پر تھوپنا ان کے جذبۂ ترحم کے منافی تھا۔ ان کے اخلاص اور جذبۂ تحقیق و تخلیق کے نتیجہ میں اکثر مریض صحت سے ہمکنار بھی ہوتے تھے لیکن مرور ایام اور طب یونانی کے میدان میں وسیع المدتی تعطل کے نتیجے میں اطبا غیر شعوری طور پر اس سرمایۂ بے بہا سے رفتہ رفتہ دور ہوتے چلے گئے اور آج عالم یہ ہے کہ ان کا ذہن یہ بھی سوچنا گوارہ نہیں کرتا۔ ان امراض کے انقلابات نے ہماری نگاہیں خیرہ کر دی ہیں نتیجۂ کار اس سرمائے کی کیفیت اور حیثیت مدفون خزانے کی ہو گئی ہے۔ جراحیات کے میدان میں غیر معمولی اور انقلابی تغیرات سے کون انکار

کر سکتا ہے پھر بھی بہت سے امراض کے دوائی معالجہ کی تلاش وجستجو بھی تو ایک مستحسن امر ہے جو ارزاں اور غریبوں نیز متوسط طبقہ کے مریضوں کے دست قدرت میں بھی ہو سکتا ہے۔ ناصر فاروقی نے اسی متاع گمشدہ کی طرف اطباء کی توجہ مبذول کرنے کی جراتمندانہ کوشش کی ہے۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ خاندان عزیزی کی سربرآوردہ شخصیت اور بانی تکمیل الطب لکھنؤ حکیم عبدالعزیز جنہیں طب یونانی کے تشخص نیز اس کے بنیادی اصولوں کا سودا کسی صورت میں بھی گوارہ نہیں تھا۔ انہوں نے طب یونانی میں سرجری سے بے عملی کی حد تک مغائرت دیکھ کر اپنے دل میں بڑی کسک اور تڑپ محسوس کی، چنانچہ اپنے دو بیٹوں حکیم عبدالرشید اور حکیم عبدالمعید کو سرجری کی باقاعدہ تعلیم ڈاکٹر کرنل اینڈرسن، سول سرجن سے دلائی، جو آگے چل کر تکمیل الطب میں درس وتدریس اور عملی میدان میں کام آئی۔ اس خانوادے کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ سرجری میں ایلوپیتھی کے بجائے یونانی ادویہ کا کامیابی کے ساتھ استعمال ہونے لگا، لیکن افسوس کہ یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا اور معاملہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔ حکیم عبدالناصر فاروقی قابل ستائش ہیں کہ انہوں نے کم وبیش ۲۶ امراض جراحیہ کا انتخاب کر کے قدیم وجدید ماخذ سے معلومات آفریں مواد فراہم کیا، جنہیں تعریف، اسباب، تشخیصی علامات، اصول علاج، جدید علاج جیسے ذیلی عنوانات کے تحت ترتیب دیا اور آخر میں قدیم کتابوں سے مجرب نسخوں کا جامع انتخاب پیش کیا، وہ بھی مکمل حوالوں کے ساتھ تاکہ تشنگان علم کی رسائی اصل ماخذ تک بآسانی ہو سکے، موخر الذکر موضوع کو ڈاکٹر عبدالناصر کا حاصل مطالعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

کتاب گو کہ انتہائی عرق ریزی سے لکھی گئی ہے تاہم ابن القف کی کتاب العمدہ فی الجراحت کا صرف نظر ہو جانا تعجب خیز ہے، حالانکہ اس کا عربی متن بہت پہلے حیدرآباد سے شائع ہو چکا تھا اور اردو ترجمہ دو جلدوں میں سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نے بڑے اہتمام سے چھاپا۔ اسی طرح نسخوں میں اوزان میں یکسانیت نہیں ہے، کہیں تو قدیم اوزان درج ہیں اور کہیں عشری نظام اختیار کیا گیا ہے، جو بہر حال معیاری تحریر کے شایان شان نہیں، بہت سے متروک موضوعات بھی دعوت نگارش دے رہے ہیں مثلاً تخصص کے طور پر امراض چشم اور امراض رحم

وغیرہ پر بھی مفید لوازمے طب قدیم کے سرمائے میں بکثرت موجود ہیں، امید کہ آئندہ اشاعت میں انہیں بھی ضبط تحریر میں لایا جائے گا۔

بلاشبہ 'امراض جراحیہ اور یونانی مطب' ان اطبا کے ذہنوں پر دستک کا کام کرے گی جو اپنے ہی 'مشک ختن' سے بے خبر دیار غیر میں سرگرداں نظر آتے ہیں، اور ان کی یہ کاوش رائگاں نہیں جائے گی، بلکہ اطبا اور حاملین و عاملین فن کو ذوق عرفان و آگہی کے نئے جذبے سے ہمکنار کرے گی، یہی مصنف کا مطمح نظر بھی ہے۔ کتابت وطباعت بہتر ہے اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سہو کتابت سے کافی حد تک محفوظ بھی، کاغذ معیاری نہیں تو غیر معیاری بھی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ امید کہ طلبہ، اساتذہ اور عام عاملین فن اس کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

(سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، اپریل - جون ۲۰۰۲ء)

●●●

جراثیمی یا عفونتی امراض

مولف : حکیم افتخار الحق تکمیلی
ضخامت : ۳۵۲ صفحات
اشاعت : اکتوبر، ۲۰۰۱ء
قیمت : درج نہیں
ناشر : مصنف
تقسیم کار : فہمیدہ کالج، ۲۲، کٹرہ محمد علی خاں، توپ دروازہ، لکھنؤ

حکیم افتخار الحق تکمیلی کا شمار طب یونانی کے سنجیدہ اور معتبر ارباب قلم میں ہوتا ہے جو اس طب کے علمی و عملی سرمایے کا ژرف نگاہی سے مطالعہ کر کے جدید و قدیم زاویے سے ان کے عیب و ہنر کو پرکھتے اور تجزیہ کرتے چلے جاتے ہیں، ان کے انداز نگارش کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ محاسن اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ کمزور پہلو پر برجستہ تنقید سے گریز بھی نہیں کرتے۔ امراض غیر مدونہ کے سلسلے میں نہایت اعتماد کے ساتھ اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔ ان کے تحقیقی و تدوینی کارنامے ''طبی مقالات''، ''مبحث مزاج انسانی'' اور ''ادویہ یونانی'' وغیرہ شائع ہو کر پہلے ہی خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں جراثیمی یا عفونتی امراض کے اسباب وعلاج کے سلسلے میں طب قدیم وطب جدید کے نظریات کا تنقیدی جائزہ اور تقابلی مطالعہ نیز معروضی انداز میں ایک جدید نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، چنانچہ فاضل مصنف نے تصنیفی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بہت سے غیر مدونہ امراض مثلاً دق وسل، نزلۂ مزمن اور مزمن امراض تنفس دراصل

غلط تشخیص کے سبب لا علاج ہیں، ورنہ فی الواقع ماہیت کے اعتبار سے وہ قابل علاج ہیں۔
جب تشخیص کے مطابق علاج سے شفا نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ غلطی تشخیص ہی کی ہوگی"۔

کتاب میں مختلف مقامات پر طب قدیم وجدید کے جزئی مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں، مصنف کی اخلاقی جرأت اس لحاظ سے بھی قابل ستائش ہے کہ انہوں نے غیر مدلل یا غیر واضح نظریات کی وکالت کی اور نہ توجیہ، بلکہ بیشتر کو تنقید کا ہدف بنایا ہے اور بلاشبہ اس کی زد میں طب مغرب کے ساتھ ساتھ طب یونانی بھی آئی ہے۔

''جراثیمی یا عفونتی امراض'' تین ابواب میں منقسم ہے اور ہر باب مختلف فصول ہیں۔

چنانچہ پہلے باب میں مبحث اسباب امراض سے بحث کی گئی ہے، جس میں نظریۂ اخلاط کی خامیوں کا تجزیہ، نظریۂ جراثیم کا تجزیاتی جائزہ، جراثیمی یا عفونتی امراض کا اصلی سبب، مبحث تقسیم بخار اور فساد خون کے علاوہ چند دیگر غیر عفنی امراض کے اسباب کا تنقیدی محاسبہ پیش کیا گیا ہے۔ جراثیم کے تولد ذاتی پر عالمانہ اور بصیرت افروز گفتگو انتہائی دلچسپ بھی ہے اور معلومات آفریں بھی۔

باب دوم مبحث علاج پر مشتمل ہے، جس میں جدید اسباب کے مطابق جدید طریقۂ علاج کا نقطۂ نظر واضح کیا گیا ہے، پھر یونانی اصول علاج کے سلسلے میں مثبت اور منفی گفتگو کی گئی ہے، یعنی توثیقی یا تنقیدی نقطۂ نظر واضح کیا گیا ہے اور آخر میں آملی کے قائم کردہ عنوان ''روحانی علاج'' کے تحت نفسیاتی اور داخلی قوت کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے اور یہ کہ رجائیت اور حوصلہ افزائی کس طرح مایوس العلاج مریضوں میں نسخۂ کیمیا ثابت ہوتی ہے، اس سلسلے میں رازی، ابن سینا اور جرجانی کی تحریروں کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔

آخری مبحث حفظ صحت پر مشتمل ہے۔ گو کہ یہ باب اسباب ستہ ضروریہ پر محیط ہے، تاہم مصنف نے تغذیہ تک ہی اپنی گفتگو محدود رکھی ہے، بلاشبہ جراثیمی یا عفونتی امراض میں غذا اہم کردار ادا کرتی ہے، بعض اوقات مریض کی نقاہت کے پیش نظر لطیف اور سیال غذائیں تجویز کی جاتی ہیں اور ثقیل و مبخر غذائیں ممنوع ہوتی ہیں، جب کہ دودھ کا پرہیز بعض اصابات میں صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ انتہائے لطافت کے سبب سرایت قبول کر لیتا ہے، حتی کہ مستوقد عفونت

بن جاتا ہے، اسی وجہ سے طب یونانی میں معالجاتی نقطۂ نظر سے غذا، دیر، بیر کو ابتدا سے ہی خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس باب میں سب سے زیادہ معلومات آفریں اور دلچسپ گفتگو گوشت خوری کے تعلق سے کی گئی ہے، جس میں اول حکیم وڈاکٹر غلام جیلانی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

> ''گوشت خوری خصوصاً: یادہ گوشت خوری سے دماغ کند اور مزاج تند، طبیعت زود رنج اور غصہ آور ہو جاتی ہے، خود غرضی اور نفسانیت بڑھ جاتی ہے''۔

اس کے بعد دلائل و براہین سے اس کی جو تحقیقی تردید کی گئی ہے، بلاشبہ بڑی معلومات آفریں ہے:

> ''نفس گوشت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، نہ وہ حسن اخلاق پیدا کرتا ہے اور نہ بداخلاقی، اس لیے کہ جبلت غذا سے نہیں بنتی ہے، اس کا بنانے والا قانونِ فطرت ہے''۔

یعنی ایک خطہ کے باشندے کو دوسرے خطے کے باشندوں کا طعام نامہ (Menu) استعمال کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے، یہ نکتہ آفرینی بھی دراصل حکیم تکمیلی کے اختراعی اور تحقیقی ذہن کی دین ہے، فاضل مصنف رقمطراز ہیں:

> ''نظام تغذیہ میں اطبانے عادت کا بھی لحاظ رکھا ہے، یعنی انفرادی، قومی اور ملکی خصوصیت کے لحاظ سے غذا کے بارے میں جو عادت ہو اس کے خلاف غذا پر مجبور کرنا یا مجبور ہو صحت کے لیے مضر ہے، جیسے شمالی ہند کے مشرقی اور مغربی حصوں میں تغذیے کی عادت کا یہ فرق ہے کہ مغرب میں گوشت روٹی اور مشرق میں مچھلی چاول کا عام رواج ہے، پس یہاں جس حصہ میں جو غذا معتاد ہے، اس کو بدلنا مضر صحت ہے''۔

جس طرح حکیم نیر واسطی نے تاریخی دنیا میں اور حکیم محمد کبیر الدین نے فنی دنیا میں طبی محاسن کو اجاگر کرنے، تجدید طب اور معاندین کے اعتراضات کے جواب میں تحقیقی انداز نگارش اختیار کیا ہے، اسی طرح عصر حاضر میں حکیم افتخار الحق تکمیلی نے جدید وقدیم طبوں کا غیر جانب دارانہ تنقیدی جائزہ پیش کر کے اس روایت کو آگے بڑھایا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ طب یونانی کے

حاملین ۔ ذرا اپنے ذہن و دماغ کے دریچوں کو بند نہیں، ہمیشہ کھلا رکھا ہے اور ان کے اندر آج بھی جذب وقبول کی بھرپور صلاحیت موجود ہے اور پیش رفت جاری ہے۔ کوئی بھی ماہر فن اسی وقت کسی نظریے یا تحقیق کی تردید یا توثیق کر سکتا ہے، جب کہ اس کا مطالعہ وسیع ہو اور کسی نظریے کے مقابلے میں اپنا نظریہ پیش کرنا تو اس سے آگے کی منزل ہے۔ اس سے مصنف کے وسعتِ مطالعہ اور خود اعتمادی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ گو کہ اس میں اختلاف کی کافی گنجائش ہے تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حکیم افتخار الحق تکمیلی نے فنی و علمی تحقیق کو ایک نیا رخ دیا ہے اور دعوتِ فکر ونظر پیش کی ہے۔

اب ذرا دوسرا پہلو بھی، گو کہ جملہ محولہ کتابیں علمی وفنی حلقوں میں بخوبی متعارف ہیں، تاہم کتابیات کی عدم موجودگی، وہ بھی ایک تحقیقی شاہکار میں تشنگی کے احساس سے دوچار کرتی ہے۔

اصل کتاب تو ص ۳۳۵ پر ختم ہو جاتی ہے، لیکن آخر میں ''اجمالات'' بطور ضمیمہ شامل کیا گیا ہے، جو ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اگر اس میں صفحات کا اندراج کر دیا گیا ہوتا تو ایک کارآمد انڈیکس قاری کو مل جاتا۔

اردو کتابوں کا یہ المیہ ہے کہ محض چند صفحات کے تحفظ اور ''بچت'' کے پیش نظر سارا حسن غارت کر دیا جاتا ہے، مثال کے طور پر ''مبحث اول'' جفت کے بجائے طاق یعنی ص ۱۷ سے شروع کیا جاتا۔ بہتر تھا، اسی طرح باب دوم، باب اول کی طرح طاق صفحہ یعنی ۲۵۶ کے بجائے ۲۵۷ کا مستحق تھا، ''مبحث علاج'' بھی ۲۵۹ سے شروع کرنا مستحسن تھا۔ باب سوم کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں، امید کہ طبع دوم میں یہ کمی پوری کر دی جائے گی۔ سہو کتابت سے بھی کتاب محفوظ نہیں رہی، گو کہ تناسب کم ہے۔

کمپوزنگ روشن، کاغذ اور طباعت معیاری ہے، کتاب جہاں معنوی اعتبار سے بہت خوب ہے وہیں صوری لحاظ سے بھی جاذب نظر ہے، مجلد اور خوبصورت بامعنی گٹ اپ کے ساتھ جب کوئی بھی

کتاب سامنے آتی ہے تو بیساختہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ امید کہ ''جراثیمی یا عفونتی امراض'' کی علمی وفنی حلقوں میں بھرپور پذیرائی ہوگی اور اسے طبی دنیا میں تحقیقی دستاویز سے تعبیر کیا جائے گا۔

(سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، جولائی۔ ستمبر، ۲۰۰۶ء)

●●●

کتاب السموم

مولف : حکیم محمد جنید صدیقی

ضخامت : ۲۷۱صفحات

اشاعت : ۲۰۰۳ء

قیمت : ۲۰۰روپے

ملنے کا پتہ : اے۔۲، ہمدرد فلیٹس، پل پہلاد پور، ایم بی روڈ، نئی دہلی۔۱۱۰۰۴۴

طب یونانی میں علم السموم [Toxicology] ابتداء سے ہی اطباء کی توجہ کا مرکز رہا ہے، چنانچہ تریاقات جیسی حیات آفریں ادویہ بھی اسی تحقیقی توجہ کے ثمرات ہیں۔ بقراط، دیسقوریدوس، جالینوس، جابر بن حیان، ربّن طبری، محمد بن زکریا رازی، مجوسی، ابن سینا، اسمٰعیل جرجانی اور پھر ہندوستان میں حکیم محمد اعظم خاں وغیرہ کی تحقیق میں اس فن کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی۔ ہندوستان میں ملک گیر پیمانہ پر طبی اداروں کی تاسیس کے بعد اس فن پر باقاعدہ کتابیں لکھی گئیں، جن میں سے کتاب السموم [خواجہ رضوان احمد]، طب قانونی و علم السموم [حکیم فضل الرحمٰن خاں]، علم السموم [حکیم حماد عثمانی] اور طب قانون و علم السموم [حکیم سید محمد ادریس بخاری] بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ لیکن آگے چل کر طب جدید میں تحقیقات نے انقلابی رخ اختیار کرلیا، جس کا احساس حکیم محمد جنید صدیقی کو ابتدائے تدریس سے ہی تھا۔ علم السموم کے نہ صرف وہ اتالیق ہیں بلکہ یہ ان کا پسندیدہ موضوع بھی ہے۔ لہذا طلبہ کی دشواریوں کے پیش نظر انہوں نے اس اہم موضوع پر قلم اٹھا ہی لیا، جو حکیم حماد عثمانی کے بعد تقریباً نظرانداز سا ہوگیا تھا۔

کتاب السموم نہ صرف عصری تحقیقات کی روشنی میں لکھی گئی ہے؛ بلکہ اس میں طب یونانی کی خوبیوں کا بھی ایڈ پٹیشن موجود ہے۔ اس کے موضوعات سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگانا

دشوار نہیں یعنی سموم کی درجہ بندی، سمیت کی طبی قانونی حیثیت، تشخیص، عام اصول علاج، اخراج، تریاقات وغیرہ جیسے گوناگوں موضوعات پر انتہائی اہم معلومات بہم پہنچانے کے بعد حسب ذیل تقسیم کے ذیل میں کم وبیش ۵۶ سموم پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے:

اکّال زہر، مخرش زہر، آلاتی زہر، مخرش فلزاتی زہر، حیوانی زہر، عصبی زہر، قلبی زہر، اختناقی زہر، قاتل حشرات الارض زہر اور متفرق زہر:

"ہر زہر کے ذیل میں ذیلی سرخیوں مثلاً سموم کی خصوصیات، جزءِ فعال، مہلک مقدار، مدت ہلاکت، مظاہر تشریح بعد الموت، طبی قانونی اہمیت وغیرہ کے تحت معلومات آفریں مواد کی پیشکش لائق ستائش ہے۔"

کتاب نہ صرف نصابی اور معالجاتی نقطۂ نظر سے اہم ہے بلکہ اس لیے بھی کم اہم نہیں ہے کہ قاری کو قانونی پیچ وخم سے بھی خبردار کرتی ہے، جس کی اہمیت آج کے پرآشوب دور میں اور بڑھ گئی ہے جب کہ ہر طرف اخلاقی ابتذال اور دیوالیہ پن کا دور دورہ ہے اور پاکردار معالج کے دامن کو داغ دار بنانے کی ہر سطح پر طاغوتی کوششیں جاری رہتی ہیں۔

اس مقصدی کتاب میں بعض مقامات پر صرف انگریزی پر اکتفاء اور سہو کتابت نظر کو گراں گزرتا ہے۔ سمی دوائوں کے مدارج [Grades] کی شمولیت سے اس کی افادیت میں اضافہ ہو جاتا۔ امید کہ طبع ثانی کے وقت یہ کمی دور کر دی جائے گی۔

کتاب السموم کا انتساب حکیم عبدالحمید کے نام کیا گیا ہے اور تقدمہ جناب سراج حسین شیخ قابل ستائش ہے۔ اس کتاب جمیل ولباس حریر پر اردو اکادمی، دہلی نے انعام بھی عطا کیا ہے۔ زبان سلیس، کتابت پاکیزہ اور طباعت روشن ہے۔ امید کہ طلبہ، اساتذہ اور عام عاملین فن اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے اور اس طرح مصنف کے جذبۂ تصنیف وتالیف کو مزید تحریک مل سکے گی۔

(سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، جنوری- مارچ ۲۰۰۴ء)

●●●

کتاب التشخیص

مصنف : ڈاکٹر محمد انور صدیقی
ضخامت : ۲۶۵ صفحات
اشاعت : ۲۰۰۳ء
قیمت : ۲۰۰ روپے
ناشر : ڈاکٹر محمد انور صدیقی، لکچرر شعبہ معالجات، فیکلٹی آف میڈیسن،
جامعہ ہمدرد، ہمدرد نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۶۲
ملنے کا پتہ : اے-۲، ہمدرد فلیٹس، بل پہلا دپور، ایم، بی روڈ، نئی دہلی-۱۱۰۰۴۴

تشخیص امراض کو نہ صرف عہد بقراط میں بلکہ قبل از بقراط بھی کم اہمیت حاصل نہ تھی، جب کہ توہم پرستی کے طلسم سے یہ فن آزاد بھی نہ ہوا تھا۔ بقراط و جالینوس نے تو اس کی باقاعدہ سائنٹی فک بنا ڈالی۔ آگے چل کر ربن طبری، محمد بن زکریا رازی، ابوسہل مسیحی، نوح القمری، ابوالعباس مجوسی، ابن سینا، احمد بن محمد الطبری، ابن ہبل بغدادی، ابن زہر، ابوالقاسم زہراوی، ابن النفیس، گیلانی، اسمٰعیل جرجانی، بہاء الدولہ، حکیم محمد اکبر ارزانی اور حکیم محمد اعظم خاں، غرض کہ کون صاحب تصنیف اطباء ہیں، جن کے یہاں تشخیص و تفتیش کے عناصر نہ پائے جاتے ہوں۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ ان کے معالجانہ فتوحات کا راز ہی درست تشخیص میں پنہاں تھا۔ مثال کے طور پر زکریا رازی کی کتاب الحاوی الکبیر فی الطب کا تمام تر انحصار سریریات پر ہے۔ حکیم محمد اعظم خاں نے ہر مرض کی ابتداء میں تشخیص کا جامع اور مدلل اصول پیش کیا ہے۔ مزید برآں نیر اعظم تو نبض کی بنیادی کتابوں میں شامل رہی ہے، کیونکہ نبض شناسی ایک ایسا جامع اور منضبط لائحہ عمل ہے کہ اس میں مشق و مزاولت کے بعد کم از کم وقت میں زیادہ بہتر اور زیادہ درست تشخیص ممکن ہے۔ حق تو یہ ہے کہ طب مغرب تمام تر ترقیوں کے باوصف اطباء کی مدونہ اقسام نبض پر ہنوز کما حقہٗ کام نہیں

کر سکی، اضافہ تو در کنار۔ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ اطبائے جدید نے بھی اطبائے قدیم کی روش سے انحراف نہیں کیا ہے، کیونکہ انہوں نے بھی قدیم خطوط پر عمل کرتے ہوئے امراض کی تشخیص کو ابواب امراض کا جزو بنایا ہے۔ انقلابی قدم اس وقت اٹھایا گیا جب اس فن پر مستقل تصانیف منصہ شہود پر آنے لگیں۔

بلاشبہ آج کا عہد الیکٹرانک آلات اور کمپیوٹر کا عہد ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر جینی تکنیک (Genetic technology) کی دریافت نے نہ صرف جسمانی امراض کو آئینہ کر دیا ہے بلکہ انسان کو "ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب" پر غور و فحص کے لیے مجبور کر دیا ہے۔ لیکن با ایں ہمہ تکنیکی ترقیات و اکتشافات، تشخیص آج بھی انسانی سوجھ بوجھ کی محتاج ہے کیونکہ اچھے معالج کے دل و دماغ میں اپنے پیشے سے وابستگی کے ساتھ ساتھ مریض کے تئیں بھی مروت اور ہمدردی کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔ وہ بیک وقت نفسی جسمی عوامل (Psyco- somatic factors) پر نگاہ رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ نفسیات اور محسوسات کا احاطہ مشینوں کے لیے ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو اگر صرف اور صرف مشینوں کے حوالے کر دیا جائے تو جس طرح نتائج بالکم و کاست چند لمحے یا زیادہ سے زیادہ ایک دو روز میں سامنے آ جاتے ہیں اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ ذرا سی تکنیکی خلل کی صورت میں غلط رپورٹ کا امکان بھی بہر حال موجود رہتا ہے، جسے حرف آخر تصور کر لینے سے بڑے خطرناک عواقب سامنے آتے ہیں، اسی سنگینی کی طرف حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے واضح لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

یہی وجہ ہے کہ سریری تشخیص (Clinical diagnosis) کو ماضی کی طرح آج بھی اہمیت حاصل ہے اور مستقبل میں بھی حاصل رہے گی۔ اس سے نہ صرف معالج کا ذہن زنگ آلود ہونے سے محفوظ رہتا ہے، بلکہ اس کی فہم و فراست کو بھی جلا ملتی رہتی ہے اور تشخیص وہ بھی درست تشخیص کا قرعۂ فال اس کے حصے میں فیضان الٰہی بن کر آتا ہے۔

ماضی کی طرح عصر حاضر میں بھی اطباء نے اس اہم موضوع پر قلم اٹھایا، تاہم دیگر اصناف طب کے بہ نسبت کم۔ اس کمی کو دور کرنے کے لیے جواں سال طبیب ڈاکٹر انور صدیقی نے التفات کیا اور بلاشبہ بھرپور التفات۔ چونکہ معالجات ان کا خاص میدان ہے اور سریریات کی تدریس فرض منصبی، لہٰذا "کتاب التشخیص" میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے، مواد اور تنوع دونوں اعتبار سے انتہائی اہم اور وقیع ہے۔ ان کے وسعت مطالعہ اور تعمق نظر کا پتا ایک ایک سطر سے چلتا ہے۔ پیش لفظ خود مصنف نے لکھا ہے جب کہ پہلا مقدمہ پروفیسر مودود اشرف نے لکھا ہے اور دوسرا ڈاکٹر احتشام الحق قریشی نے۔ کتاب کا انتساب اپنے والد حافظ قاری محمد جمیل مرحوم کے نام کر کے سعادت مندی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ کتاب کے مشتملات درج ذیل ہیں:

استفسارات	نظام عروق وقلب
امتحان طبعی	نظام تنفس
نظام اعصاب	نظام ہضم

نظام بول

ڈاکٹر محمد انور صدیقی ان خوش بختوں میں سے ہیں، جن کے اوپر طب یونانی تھوپی نہیں گئی بلکہ اس میدان میں وہ نیاز مندانہ داخل ہوئے ہیں، چنانچہ، جب ایسا ہوتا ہے تو تائید ایزدی ٹوٹ کر آتی ہے۔ چنانچہ وہ خود رقمطراز ہیں:

> "عنایت خداوندی کی کتنی ارجمند گھڑی تھی اور مسرتوں میں ڈوبا ہوا کتنا اہم وہ لمحہ تھا جب حصول علم طب کے لیے میرا داخلہ اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہوا۔
>
> "......اور یہ اس کی رحمت بے پایاں کا تصرف تھا کہ تعلیم کے مکمل ہو جانے کے بعد مادر علمی میں طب کی خدمت کا موقع ملا اور پھر حسن اتفاق کہ سریریات کے مضمون کا پڑھانا میرے حصہ میں آیا"۔ (کتاب التشخیص: ص ۲)

ابتداءً مشتملات دیکھ کر مایوسی بھی ہوئی اور حیرت بھی کہ نبض، بول و براز جیسے اہم موضوع سے کیوں بے اعتنائی برتی گئی؟ جب کہ یہ موضوع بڑا اہم اور تفصیل طلب تھا، لیکن پیش لفظ میں

اس کا جواب مل گیا:

"البتہ نبض، بول و براز کو شامل نہیں کیا ہے، کیونکہ راقم الحروف کا نبض بول و براز کی تشخیصی اہمیت کے پیش نظر ایک الگ کتاب مرتب کرنے کا ارادہ ہے" (کتاب التشخیص ص ہ)

گوناگوں محاسن کے باوصف بعض امور کی کمی محسوس ہوتی ہے، مثلاً تصاویر اور خاکوں کی تعداد بہت کم ہے، جب کہ ایسی مفید کتاب کو مزید مفید خاکوں اور تصاویر سے مزین کر کے مفید سے مفید تر بنایا جا سکتا تھا۔

کتاب بہر حال اردو زبان میں ہے اور مقام شکر ہے کہ یہ کام قابل تحسین ہے، ایسی صورت میں اردو زبان کی حرمت کی طرف خصوصی توجہ درکار ہے۔ اکثر مقامات پر انگریزی مترادفات بین القوسین لکھنے کے بجائے آزادانہ لکھے گئے ہیں اور کتنی جگہوں پر تو اردو اصطلاحات لکھی ہی نہیں گئیں، محض، انگریزی اصطلاحات پر اکتفا کیا گیا ہے، اس سے اردو زبان کے طبی سرمائے میں اضافہ کیسے ممکن ہوگا؟ حد یہ ہے کہ خاکوں کو تو بالکلیہ انگریزی کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ یہ تن آسانی بہر حال معیوب ہے۔ اس طرح تو اردو میں کتاب لکھنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ جہاں اردو اصطلاحات ممکن نہ ہوں، مثلاً ص ۱۵ اور ص ۲۶، انگریزی دواؤں کے نام اردو رسم الخط میں لکھنے چاہئیں۔

مجموعی اعتبار سے "کتاب التشخیص" محنت اور عرق ریزی سے لکھی گئی ہے۔ سہو کتابت سے کافی حد تک محفوظ، پاکیزہ کمپیوٹر کمپوزنگ، روشن طباعت، نفیس کاغذ، معنی خیز سرورق، بے ساختہ پڑھنے کو جی چاہے۔ امید کہ طبیہ کالجوں کے اساتذہ اور طلباء کے علاوہ عام معالجین بھی اسے قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور مصنف کے ذوق تصنیف کی مناسب داد مل سکے گی۔

(سہ ماہی، جہان طب، نئی دہلی، اپریل-جون ۲۰۰۴ء)

●●●

ادویۂ معدنیہ

مصنفین : ڈاکٹر مستحسن و ڈاکٹر عباس علی
ضخامت : ۱۲۹ صفحات
سن اشاعت : ۲۰۰۴ء
قیمت : ۱۰۰؍روپے
تقسیم کار : اعجاز پبلشنگ ہاؤس، ۲۸۶۱، کوچۂ چیلان، دریا گنج،
نئی دہلی ۲-۱۱۰۰۰

طب یونانی میں گو کہ نباتی، حیوانی اور جمادی تینوں جماعت کی دواؤں کا استعمال ابتدا سے ہی زیرعمل ہے، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ مطب میں نباتی ادویہ کو ہمیشہ ترجیح دی جاتی رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ موخرالذکر دونوں جماعت کی دوائیں اطبائے قدیم کی توجہ سے محروم رہی ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حیوانی اور جمادی ادویہ کے استعمال میں بھی انہوں نے اپنی علمی لیاقت اور طبی حذاقت کا بھرپور ثبوت دیا ہے، لیکن رفتہ رفتہ بالخصوص جمادی ادویہ کا استعمال محدود بلکہ مطب سے تقریباً رخصت ہو گیا، جس کے گوناگوں اسباب ہیں، مثلاً بعض ادویہ گراں ہیں جیسے زمرد، زبرجد، عقیق، الماس، سونا، چاندی وغیرہ۔ پھر کشتہ سازی، جو صحیح معنوں میں گزشتہ صدی کے وسط تک زیرعمل رہی، اس کے بعد تدبیر، تصویل وتطہیر وغیرہ کا نمبر آتا ہے۔ آج کی مشینی زندگی میں ہر طبیب کے لیے کشتہ سازی ممکن بھی نہیں۔ دوا ساز کمپنیاں قدیم طریقوں کو کماحقہٗ ملحوظ نہیں رکھتیں، نتیجۂ کار فائدہ سے زیادہ مضرت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رفتہ رفتہ روزمرہ مطب میں اس کا چلن محدود بلکہ معدوم ہو گیا، حالانکہ اگر جملہ اصول و تدابیر ملحوظ رکھے جائیں تو ان کے بیش بہا افادات سے آج بھی استفادہ کی راہیں کھلی ہیں۔

یوں تو ادویۂ معدنیہ کا بیان قدیم و جدید کتابوں میں موجود ہے، تاہم منتشر حالت میں۔ اس

موضوع پر کسی باقاعدہ کتاب کی عدم موجودگی طلبہ واساتذہ کے علاوہ عام میڈیکل پریکٹشنرز بھی عرصہ سے محسوس کر رہے تھے۔ ڈاکٹر مستحسن و ڈاکٹر عباس علی نے اس کمی کو نہ صرف مشترکہ طور پر محسوس کیا بلکہ اس موضوع کو اپنی تحقیق وتصنیف کا محور بنا کر قدیم وجدید مآخذ سے معلومات آفریں مواد فراہم کر کے بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں ادویہ کے مترادفات مختلف زبانوں میں، ماہیت، افعال وخواص، مآخذ، مقام پیدائش، بدل، اس کی شمولیت والے مختلف مرکبات، مضر ومصلح، مقدار خوراک، کیمیاوی فارمولہ جیسی اہم ذیلی سرخیوں کے تحت گرانقدر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

ادویہ معدنیہ کو رنگین تصاویر سے بھی مزین کیا گیا ہے، تاکہ شناخت ادویہ میں دشواری نہ ہو۔ تاہم ان کے نام حتیٰ کہ طبی نام بھی انگریزی میں درج کیے گئے ہیں جو اردو زبان کی کسی فنی کتاب کے شایان شان نہیں۔ ہاں اگر کتاب انگریزی زبان میں ہوتی تو کوئی قباحت نہ تھی۔ کتابت وطباعت معیاری، گٹ اپ حسین وبامعنی اور کتاب مجلد ہے۔ امید کہ علمی وفنی حلقوں میں اسے بھرپور پذیرائی حاصل ہوگی۔

(سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، جولائی - دسمبر ۲۰۰۵ء)

•••

طبیب

مدیر : حکیم سید فضل اللہ قادری

اشاعت : ۲۰۰۵ء

ضخامت : ۱۶۸صفحات

قیمت : درج نہیں

ناشر : انجمن خدام طب، گورنمنٹ طبیہ کالج، پٹنہ-۸۰۰۰۰۳

طبّی صحافت کے افق پر دو چار نہیں مکمل آٹھ برس کے ریکارڈ وقفہ سے ایک بار پھر مجلّہ طبیب پورے آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوا ہے۔ سابقہ شمارہ پھر بھی نصف یعنی چار سال کے وقفہ سے منظر عام پر آیا تھا۔ یہ اردو دنیا کے لیے انتہائی تاسف کی بات ہے کہ ایک معیاری رسالہ کو زندگی کا ثبوت دینے کے لیے چار تا آٹھ سال کا وقفہ بھی درکار ہو سکتا ہے۔ یہ دراصل گورنمنٹ طبّی کالج پٹنہ کے ارباب حل و عقد، طلبہ و اساتذہ کا فرض عین ہے کہ اس کی جلا و بقا کے لیے یک نفس اور یک قلم ہو کر پیش قدمی کریں اور اسے سالانہ نہ بلکہ ماہانہ سطح تک لانے کا حتمی منصوبہ مرتب کریں۔

زیر نظر شمارہ حسب سابق پروفیسر حکیم محمد شہاب الدین، پرنسپل کے پیغام سے شروع ہوا ہے اور سابقہ متذکرہ شمارہ کے تبصرہ پر ختم ہوا ہے۔ اس کے بعد چند یادگار فوٹوگراف اور اشتہارات بھی شامل ہیں۔ محتویات کی مجموعی تعداد ۴۶ ہے جن میں گوناگوں طبّی موضوعات کے علاوہ پیغام، اداریہ، سکریٹری کی رپورٹ مجلّہ طبیب، چند مایہ ناز شخصیات کی نظر میں، کالج کے یادگار ایام اور کالج کی دیگر سرگرمیاں بھی شامل ہیں۔ اس مجلّہ میں طلبہ و اساتذہ کی بھرپور نمائندگی موجود ہے۔ اساتذہ کی تخلیقات جہاں طبّی صحافت کے میدان میں طبّی مہارت کا پتہ دیتی ہیں، وہیں طلبہ کی تحریروں سے بھی اعتماد مترشح ہوتا ہے۔ مضامین کے انتخاب و پیشکش سے مدیر اعلیٰ کے انداز صحافت

کی پختگی ہویدا ہے۔ ان کے تنوع اور افادیت کا انداز ان چالیس عناوین سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جن کے تحت اساتذہ اور طلبہ نے اپنے فکر وفن کے جوہر دکھائے ہیں:

اسلام اور جنسیات	حکیم سید علیم الدین بلخی
طب قدیم اور دور جدید	حکیم قمر الزماں
حفظ ماتقدم اور انسانی صحت	حکیم محمد شہاب الدین
تدابیر مشائخ مجدد حاضر کا تقاضہ	حکیم محمد ضیاء الدین
مسالک ادویہ	حکیم محمد یوسف
حملۂ قلب، اسباب وعلاج	حکیم محمد صابر علی
التہاب خلایائے انف	حکیم محمد غیاث الدین
حاملہ اور حفظان صحت	حکیم مظفر الاسلام
کسوندی، ایک خاص دوا	حکیم تبریز اختر لاری
نظریۂ ایقاء وامنیت	حکیم شجاع الدین ہمدانی
علاج بالعصارہ	حکیم شفقت اعظمی
ہمارے فیضان صاحب	جناب خاور ہاشمی
پیاز ولہسن کی دوائی، غذائی اہمیت	حکیم شرف الدین قادری
علاج ومعالجہ کا فطری طریقہ	ڈاکٹر محمد شمیم قمر فلاحی
اسلام اور علم طب	ڈاکٹر خدیجہ رحمانی
شیر خوار بچہ، تغذیہ وتحفظ	جناب رضاء الحق خوشتر
کلونجی	ڈاکٹر ابوالقیس فیضی
دور حاضر میں.....کہاں تک	جناب شفاعت کریم

ویسے آسمان پر ستاروں کی بے ترتیبی میں بھی ایک حسن ہوتا ہے کیونکہ اس میں بھی مخصوص لائحہ عمل کے تحت ترتیب قائم رہتی ہے۔ لیکن مجلہ میں مضامین کی بے ترتیبی بری طرح کھٹکتی ہے مثلاً

اداریہ سے پیشتر اسرول پر مضمون چہ معنیٰ دارد، پھر بھی فضل اللہ قادری اس کامیاب کاوش پر ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ سات آٹھ سال کے وقفہ سے سہی، طبّی مجلّہ شائع کر کے سرزمین پٹنہ پر طب یونانی اور اردو زبان کی زندگی کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ طباعت دیدہ زیب اور ٹائٹل بہت خوب ہے۔ امید کہ ارباب فن سے خراج تحسین حاصل کرے گا۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، اپریل - جون، ۲۰۰۶ء)

•••

معلّم العربیہ

مولف : ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

اشاعت : ۲۰۰۵ء

ضخامت : ۲۴۰ صفحات

قیمت : ۱۳۰ روپے

ناشر : ڈاکٹر غلام یحییٰ، انجمن دائرۃ المصنفین مکان نمبر ۱۴۰، آر، زیڈ ۲۵۴۱/۲۸، تغلق آباد ایکسٹینشن، نئی دہلی-۱۱۰۰۱۹

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم جامعہ ہمدرد، نئی دہلی کے افاضل اساتذہ میں سے ہیں، جنہیں عربی، فارسی اور اردو زبان پر یکساں دسترس حاصل ہے۔ علی گڑھ سے ایم فل، پی ایچ۔ ڈی، یوپی بورڈ سے فاضل عربی ومعقولات (فارسی)، جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ سے فاضل درس نظامی کے علاوہ جامعہ اردو، علی گڑھ سے ادیب کامل کی اسناد حاصل کیں، بہت سے اعزازات وانعامات اس پر مستزاد۔ کم وبیش دو درجن کتابیں آپ کے قلم کی مرہون منت ہیں۔ ۱۹۹۰ء سے ہمدرد یونیورسٹی سے وابستگی کے بعد درس وتدریس کا خاصا تجربہ بھی حاصل ہوگیا ہے۔

گوکہ انجم کا اصل میدان علوم اسلامیہ ہے تاہم اضافی طور پر فیکلٹی آف میڈیسن میں عربی زبان کی تدریس کا فریضہ بھی انہیں تفویض کیا گیا ہے، جہاں انہوں نے اس زبان کو عملی نقطۂ نظر سے بھی دیکھنا شروع کر دیا۔ کیونکہ اس قلیل ترین مدت میں طلبہ کو عربی زبان پر مہارت حاصل نہیں ہوسکتی تاہم راست منہاج (Direct method) اختیار کرکے اس کی تفہیم کے راستے میں حائل رکاوٹوں کو اس قدر ضرور دور کیا جاسکتا ہے کہ عربی تراکیب اور طبی

مصطلحات پر عبور حاصل ہو جائے۔ انجم کی تازہ ترین کتاب "معلم العربیہ لطلاب العلوم الطبیہ" ان کے اسی جذب دروں کی آئینہ دار ہے، جسے سنٹرل کونسل آف انڈین میڈیسن کے مجوزہ نصاب کے مطابق بڑی دیدہ ریزی اور اخلاص کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس کتاب کا ایک بڑا حسن یہ ہے کہ اس میں طبی روح سمونے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ بالخصوص سائنس اسٹریم سے آنے والے طلبہ کے اذہان طبی علوم کے لیے پہلے سے نہ صرف آمادہ بلکہ زرخیز ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام روایت سے ہٹ کر مثالیں پیش کی گئی ہیں مثلاً ھذا فرس" = یہ گھوڑا ہے اور ھذا حمار" = یہ گدھا ہے کے بجائے ھذا طبیب = یہ ڈاکٹر ہے اور ھذا مریض = یہ مریض ہے جیسی طبی مصطلحات پیش کر کے ندرت اور طبی رجحان کو نمائندگی دی گئی، امید کہ ڈاکٹر انجم کا اخلاص رنگ لا کے رہے گا۔ انشاءاللہ!

ابتدائے کتاب میں منہج تعلیم سے متعلق اساتذہ کے لیے لائحہ عمل فراہم کیا گیا ہے جس سے عربی زبان کی تدریس و تفہیم کے مراحل آسان سے آسان تر ہو جائیں گے۔ کتاب کو صرفی و نحوی موشگافیوں سے بوجھل بنانے کے بجائے، صرف انہیں قواعد کو جگہ دی گئی ہے جن کا علم عربی دانی کے لیے اساسی حیثیت کا حامل ہے تاکہ عربی زبان سے گریز کے بجائے ذوق و شوق کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

زیر تبصرہ کتاب دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آخر میں طب سے متعلق بعض اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ان کا تعلق گو کہ براہ راست نصاب سے نہیں ہے تاہم ان کی اہمیت وافادیت سے انکار کی گنجائش بھی نہیں بلکہ طبی مضامین سے ذہنی ہم آہنگی پیدا کرنے میں بھی یہ حصہ اہم رول ادا کرے گا۔ اگر چہ اس کتاب میں طبی عناصر کا غلبہ ہے تاہم اسے دینی مدارس کے طلبہ کے لیے بھی مفید بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، جہاں اسے مبتدیوں کو پورے اعتماد کے ساتھ پڑھایا جا سکتا ہے۔

بعض مقامات پر تلفظ اور اعراب کھٹکتے ہیں مثلاً ص ۳۰ پر اختناق النفس دم گھٹنا یا گھٹن کے

لیے لکھا گیا ہے جس کا صحیح تلفظ اختناق النّفس ہے یعنی ف پر جزم کے بجائے فتحہ ہے۔ کیونکہ نفس بمعنی روح (ج: نفوس) ہے جب کہ نَفَس بمعنی سانس (ج: انفاس) ہے۔ طب کا طالب علم ان لفظوں کی ادائیگی میں اکثر غلطی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الٰہ آباد، جولائی۔ستمبر،۲۰۰۶ء)

•••

کامل الصّناعہ (عربی)

مولف : علی بن العباس المجوسی (م ۹۹۴ء)
ضخامت : الجزء الاول ۴۳۶ صفحات، الجزء الثانی ۶۰۸ صفحات
سن اشاعت : ۲۰۰۵ء
قیمت : درج نہیں
ناشر : سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن،
۶۱-۶۵ انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری، نئی دہلی-۱۱۰۰۵۸

سنٹرل کونسلفار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی نے اپنے سال تاسیس ۱۹۷۹ء کے بعد سے گزشتہ ڈھائی عشرے [۲۵ سال] کے دوران جو ہمہ جہت ترقی کی اور طب یونانی کے مختلف اساسی اور اطلاقی پہلوؤں پر جو داد تحقیق دی ہے، طب یونانی کے سفر کی ایک طویل اور دلچسپ داستان ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیائے سائنس بھی کونسل کی پیش رفت میں غیر معمولی دلچسپی لینے لگی ہے۔ سریری تحقیق (Clinical Research)، دواؤں کی معیار بندی (Drug Standardization)، دوائی پودوں کا سروے -Survey of Medicinal) (Plants اور علمی تحقیق (Literary Research) اس کے اہم میدان کار ہیں۔

کونسل نے اپنے لٹریری ریسرچ پروگرام کے تحت اب تک ۳۹ کلاسیکی کتابیں شائع کی ہیں جو بنیادی طور پر عربی یا فارسی زبان میں تھیں، جنہیں اردو میں منتقل کرنے کا قرعۂ فال کونسل کے نام نکلا۔ چند مطبوعات [تراجم] درج ذیل ہیں:

کتاب الابدال، کتاب المنصوری، کتاب الحاوی الکبیر فی الطب از محمد بن زکریا رازی [۸۶۵-۹۲۵ء]، رسالہ جودیہ از ابن سینا [۹۸۰-۱۰۳۷ء]، آئینہ سرگزشت از ابوعبید الواحد جوزجانی

[۱۱ویں صدی عیسوی]، کتاب التیسیر از ابو مروان عبد الملک ابن زہر [۱۱۶۲-۱۰۹۱ء]، کتاب الکلیات از ابن رشد [۱۱۹۸-۱۱۲۶ء]، کتاب المختارات فی الطب از ابن ہبل بغدادی [م ۱۲۱۳ء]، الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ از ابن بیطار [۱۲۴۸-۱۱۹۰ء]، عیون الانبا فی طبقات الاطباء از ابن ابی اصیبعہ [م ۱۲۷۰ء] اور کتاب العمدہ فی الجراحۃ از ابن القف مسیحی [۱۲۸۶-۱۲۳۳ء] وغیرہ۔ علاوہ بریں حسب ذیل کتابوں کے متن بھی ایڈیٹنگ کے بعد شائع کیے گئے ہیں:

کتاب الابدال، کتاب الفاخر (الجزء الاول) از محمد بن زکریا رازی (الجزء الثانی زیر طباعت ہے)، رسالہ جودیہ از ابن سینا، اور کتاب الکلیات از ابن رشد۔

کونسل نے نادر و نایاب کتابوں کی باز اشاعت کا جامع پروگرام بھی مرتب کیا ہے، جس کے تحت ان کتابوں کی اشاعت عمل میں لائی جائے گی جو عرصۂ دراز پہلے چھپ کر نایاب ہو چکی ہیں اور اگر کسی لائبریری کی زینت بھی ہیں تو ان کی حیثیت مخطوطات کی ہوتی ہے، جہاں تک قارئین اور محققین کی رسائی بآسانی نہیں ہوتی یا مرور ایام کے سبب اوراق پارینہ چھوتے ہی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں، چنانچہ زیر تبصرہ کتاب یعنی کامل الصناعہ کی اشاعت اس کا نقطۂ آغاز ہے۔

علی بن عباس المجوسی کو قرون وسطیٰ میں ہالی عباس (Haly Abbas) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اس کی مایہ ناز تالیف 'کامل الصناعہ' یا 'الملکی' کا لاطینی ترجمہ لیبر ریجی اُس (Liber- Regius) سے موسوم کیا گیا۔

اس عظیم الشان کارنامہ پر روشنی ڈالتے ہوئے مشہور مورخ قفطی رقم طراز ہے:

"عضد الدولہ فناخسرو بن بویہ الدیلمی (دسویں صدی عیسوی) کے لیے 'الملکی' کے نام سے طب پر ایک شاندار کتاب لکھی۔ یہ کتاب درحقیقت ایک عظیم الشان کارنامہ اور ایک گرانقدر علمی خزانہ ہے، جس میں فن طب کی علمی و ادبی معلومات کو نہایت دلچسپ ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ اس تالیف کو مولف کے عہد میں بے حد مقبولیت حاصل تھی اور لوگ اس کو بڑی دلچسپی سے پڑھتے تھے"۔

مجوسی نے محض تفنن طبع یا فنی شیفتگی کے جذبے کے تحت اسے نہیں لکھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے سابقہ طبی لٹریچر کا بڑی گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کر کے ان کے حسن و قبح کا تنقیدی اور معروضی جائزہ لیا اور حاصل مطالعہ کو کلیدی مقالہ کے اولیں باب میں سمو دیا ہے، چنانچہ اس کا پیش لفظ بجائے خود انتہائی معلومات آفریں ہو گیا ہے۔ اس میں اکابر اطبا مثلاً بقراط و جالینوس وغیرہ کی تحریروں کا نہ صرف تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، بلکہ بہت سے مقامات پر ان کی آراء سے صحت مند اختلافات بھی کیے گئے ہیں، چنانچہ مجوسی کے نقطۂ نظر سے بقراط کی تحریروں میں انتہائے ایجاز و اختصار کے سبب ابہام تک کی نوبت آ گئی ہے، جب کہ جالینوس کے یہاں لفظوں کی شعبدہ بازی ہے اور کثرت تعبیر نے اس کی تحریروں کو خواب پریشاں میں تبدیل کر دیا ہے۔ بعینہٖ اور یباسیوس اور بولس اجانیطی نے تشریح، جراحت، فلسفہ، طبعیات، تشخیص امراض، علامات، اخلاط و علم الاسباب امراض کے مسائل سے صرف نظر کیا۔ اس سلسلے میں ان کی گفتگو تشنہ ہے۔ جہاں تک رازی کی تصانیف کا تعلق ہے، ان میں سے الحاوی الکبیر فی الطب اتنی مطول، ضخیم اور گراں قیمت ہے کہ عام حالات میں عام اطبا اس سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اس کی دوسری کتاب ''المنصوری'' غیر معمولی ایجاز و اختصار کا نمونہ ہے۔

مذکورہ اسباب ہی در اصل اس کتاب کی تالیف کی محرک بنے۔ اس عزم کا اظہار کرتے ہوئے مجوسی نے لکھا ہے:

> "میں اس کی ترتیب و تدوین میں راہ اعتدال اختیار کرنا چاہتا ہوں، اس لیے نہ زیادہ اختصار سے کام لوں گا اور نہ اپنے بیان کو غیر معمولی طول دوں گا۔"

اسی طرح مولف نے بیمارستانوں (شفاخانوں) میں باقاعدہ حاضری کی اہمیت پر بھی زور دیا ہے اور اس کی افادیت پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مجوسی سرسری اعتبار سے بھی رازی سے کسی طرح کم نہ تھا اور جس راہ اعتدال کا اس نے انتخاب کیا، اس پر عمل پیرا ہو کر دکھا بھی دیا۔ اس میں نہ حد سے زیادہ تفصیل ہے اور نہ حد سے زیادہ اختصار۔ اگر جلد اول نظری اعتبار سے مکمل ہے تو جلد دوم عملی نقطۂ نظر سے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب ابن سینا کی القانون فی الطب کے منصۂ شہود پر آنے تک نہ صرف عملی میدان میں اطبا کی رہبری کرتی رہی،

بلکہ طب یونانی کی ضروریات بھی بدرجۂ اولیٰ پوری کرتی رہی۔ ابن سینا نے بجائے خود اس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر القانون فی الطب کی تالیف سے پہلے اس کی نظر کامل الصناعہ پر پڑ گئی ہوتی تو وہ اسے نہ لکھتا۔

کامل الصناعہ یا الملکی کا عربی متن تقریباً چار لاکھ الفاظ پر مشتمل اور بیس مقالات میں منقسم ہے اور ہر مقالہ میں متعدد ابواب ہیں۔ پہلے دس مقالات جز و نظری پر اور آخری دس مقالات جز و عملی پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح جز و اول ۲۶۵ ابواب پر اور جز و دوم ۵۱۸ ابواب پر محیط ہے۔ اس کا اولیں مکمل لاطینی ترجمہ ۱۴۹۲ء میں وینس (Venus) سے اور دوسرا ۱۵۲۳ء میں لیونس (Leons) سے لیبر ریجی اس (LiberRegius) کے نام سے طبع ہوا۔ بعد میں چند منتخب مقالات کے متفرق تراجم بھی شائع ہوئے۔ عربی متن کی اشاعت لاطینی ترجمہ کی طباعت کے تین سو برس بعد یعنی انیسویں صدی عیسوی میں عمل میں آئی۔ چنانچہ اصل متن ۱۸۶۶ء میں لاہور سے اور ۱۸۷۷ء میں قاہرہ سے طبع ہوا۔

اس اہم ترین کلاسیکی طبی شاہکار کے عربی متن تک ہمارے دانشوروں، محققین اور طالب علموں کی بآسانی رسائی نہیں تھی۔ کیونکہ ایک صدی سے بھی پہلے کی دیگر طبی مطبوعات کی طرح یہ بھی رفتہ رفتہ مخطوطات کی فہرست میں شامل ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ کونسل نے اسے اپنے جامع منصوبہ کے تحت ۲۰۰۵ء میں دو جلدوں میں نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے۔ کونسل کا یہ مستحسن اقدام بلاشبہ قابل ستائش ہے۔ امید کہ اس دیدہ زیب اشاعت کی بھرپور پذیرائی ہوگی اور ملک کے جامعات کی مرکزی لائبریریوں میں بالعموم اور طبیہ کالجوں میں بالخصوص اس کے زیادہ سے زیادہ نسخے محفوظ کیے جائیں گے تاکہ طلبا اور اساتذہ بلا تکلف اصل ماخذ تک پہنچ سکیں اور ان کی برسوں کی تشنگی بھی دور ہو سکے۔ لیعنہٖ اس کا اردو ترجمہ مترجمہ حکیم غلام حسنین کنتوری جو انیسویں صدی کے اواخر میں مطبع منشی نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوا تھا، نادر و نایاب ہو گیا ہے۔ کونسل سے ہم بجا طور پر امید کر سکتے ہیں کہ اسے بھی جلد از جلد زیور طبع سے آراستہ کر کے منصۂ شہود پر لائے گی۔ یہ بھی علم و فن کی بہت بڑی خدمت ہوگی، کیونکہ آج کے اطباء کی اکثریت عربی و فارسی زبان سے نابلد ہوتی ہے۔

(سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، جولائی۔ستمبر، ۲۰۰۶ء)

•••

ایران نامہ

مولف : حکیم سید ظل الرحمٰن
ضخامت : ۲۰۲صفحات
قیمت : ۹۰روپے
ناشر : سید ظل الرحمٰن، تجارہ ہاؤس، دودھ پور علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

"آریائیوں کی سرزمین ایران (اریانہ Aryana) جنوب مشرقی ایشیا کا بہت اہم خطہ ہے۔ رقبہ کے لحاظ سے دنیا کا سولہواں بڑا ملک تاریخی، تمدنی، سیاسی اور طبی منزلت کے ساتھ علم آثار قدیمہ کے لحاظ سے ممتاز اور یگانہ حیثیت کا حامل۔ ہندوستان سے اس کے تاریخی اور ثقافتی رشتے بہت قدیم ہیں۔ ایران کی ثقافتی میراث کی بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ ہندوستان کے فلسفہ، زبان وادب، تذکرہ وتاریخ، تصوف اور طب کی کتابوں، فنون لطیفہ، موسیقی، مصوری، خطاطی، فنون ہنر نقاشی، دستکاری، معماری اور صناعی کے نمونوں میں فارسی تہذیب وروایت کی روشن تصویریں ملتی ہیں۔ طب یونانی اس تہذیبی یگانگت کی ایک نمایاں مثال ہے۔"

یہ ہے زیر تبصرہ سفرنامہ کی تمہید کا کلیدی پیراگراف، جس سے مصنف کا نقطۂ نظر سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور آخری جملہ اس امر کا غماز ہے کہ یہ سفر دراصل طبی سفر تھا، جس کی غرض وغایت ایران میں طب یونانی کے تعارف اور فروغ کا جائزہ لینا تھا، چنانچہ ۱۲۸پریل ۱۹۹۵ء کو حکیم عبدالحمید کی سربراہی میں ایک علمی فنی وفد ایران روانہ ہوا جس میں حکیم سید ظل الرحمٰن کے علاوہ پروفیسر عبدالودود اظہر، صدر شعبہ فارسی، جواہر لال یونیورسٹی اور سید اوصاف علی جامعہ ہمدرد دہلی بھی شامل تھے۔

مصنف نے تہران اور وہاں کا فرہنگستان پزشکی ودانشگاہ پزشکی مشہد نیشاپور، کتاب خانہ

آستانہ قدس، دانشگاہ پزشکی، اصفہان اور وہاں کی دانشگاہ پزشکی، شیراز اور وہاں کی دانشگاہ پزشکی کی علمی سیر کے علاوہ آرام گاہ عطار و خیام، دارالشفاء قدسی، مسجد گوہر شاہ، خانقاہ غزالی، آرام گاہ فردوسی، قبر ابوعلی فارمدی، مدرسہ چہار باغ، مینار جنبان، جشن محمود نجم آبادی، مزار سعدی، مزار حافظ، مزار خواجہ کرمانی اور تخت جمشید کا بھی بہ نظر غائر مشاہدہ کیا ہے۔ اسی طرح رازی انسٹی ٹیوٹ، جنگلات کا تحقیقی ادارہ، ادارہ برائے گیاہ شناسی، نباتی علاج کا فروغ، شہر رازی، حمام، سنتی چائے، کوہ بے ستون جیسے گونا گوں نظاروں کو "پڑھنے والا" جہاں اپنی چشم باطن سے دیکھتا ہے، وہیں اردو زبان کی شستگی سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے۔

کتاب کے اختتام پر متحدہ عرب امارت کا دوسرا سفر نامہ بھی بطور تتمہ شامل کیا گیا ہے۔ دراصل جامع سعدیہ کے ادارہ تاریخ علوم عرب (معہد التراث الخیمہ کے مرکز الدراسات والوثائق (Documentaries and studies centre) کی دعوت پر راس الخیمہ میں ۱۶ تا ۲۰ ستمبر ۱۹۹۶ء کو ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی، جس کے چھٹے سشن میں حکیم سید ظل الرحمٰن نے اپنا مقالہ بعنوان "اموی عہد کی طب" پیش کیا تھا۔ یہ باب اسی کانفرنس کی روداد ہے، جو سفر نامہ کا رنگ لیے ہوئے ہے۔

حکیم سید ظل الرحمٰن نے فقط سفر برائے سفر نہیں کیا، بلکہ ان کے سامنے ان اسفار کے ٹھوس مقاصد بھی تھے۔ دنیا میں بہت سے لوگ سفر کرتے ہیں، بلکہ یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ سیلانیوں کی طرح تیرتے رہتے ہیں، لیکن سفر کی سوغات دوسرے احباب تک پہنچانے کی توفیق بہت کم لوگوں کو ہوتی ہے۔ حکیم سید ظل الرحمٰن نے ایک ایک لمحہ کی قیمت ادا کی ہے اور اپنے مشاہدات وتاثرات کو سفر نامہ کے پیرہن میں منتقل کر کے انہیں حیات جاوداں بخش دی ہے۔ ایران نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران کی تاریخ تمدن، سیاست اور وہاں طب یونانی کے ارتقاء اور مستقبل کے امکانات پر ان کی کتنی گہری نظر ہے۔ وہ جب کسی چیز یا نکتے پر گفتگو کرتے ہیں تو جزئیات تک نظر انداز نہیں کرتے جن سے شاید وہاں کے باشندے بھی سرسری گزر جاتے ہوں گے۔

حکیم سید ظل الرحمٰن تاریخ طب پر اتھارٹی ہونے کے ساتھ شعبہ علم الادویہ کے چیئرمین کی

حیثیت سے بھی اجمل خاں طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کار ہائے نمایاں انجام دے چکے ہیں، اس پر مستزاد زبان کی شگفتگی اور بیان کی ندرت۔ان جملہ خصائص کی چھاپ کتاب پر نظر آتی ہے اور سفرنامہ پر پڑھتے ہوئے دریا کا گمان ہوتا ہے۔انداز بیان اتنا دلچسپ اور کیف آفریں کہ ایک دفعہ کتاب شروع کر دینے کے بعد چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا اور اختتام پر ھل من مزید بیساختہ زبان سے نکلتا ہے۔مطالعہ کے دوران قاری خود کو سیاح کا ہم سفر تصور کرنے لگتا ہے۔ میرے خیال میں سفرنامہ کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے۔کتاب کو رنگین تصاویر سے مزین کیا گیا ہے، جس سے ظاہر ہے اس کی قیمت پر بھی اثر پڑا ہوگا۔اسے فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کے مالی تعاون سے شائع کیا گیا ہے اور انتساب دو عالی قدر برادران یعنی حکیم عبدالحمید اور حکیم محمد سعید کے نام سے کیا گیا ہے، جو دراصل طب یونانی کے سلسلے میں ان کی خدمات کا اعتراف بھی ہے اور خراج عقیدت بھی۔گو کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے، تاہم "ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما" کے بمصداق ان کی بے لوث علمی و فنی خدمات کے انمٹ نقوش آج بھی جگمگا رہے ہیں۔

ایران نامہ کی کتابت روشن، طباعت عمدہ، کاغذ معیاری اور گٹ اپ دیدہ زیب ہے۔امید کہ کالجوں، دانشگاہوں اور انفرادی سطح پر اس کی بھرپور پذیرائی ہوگی۔

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، الہ آباد، جنوری-مارچ، ۲۰۰۷ء)

●●●

کیمیائے عناصری اردو ترجمہ قرابادین قادری

مولف : حکیم محمد اکبرارزانی

مترجم : حکیم محمد نور کریم دریابادی

ضخامت : ۹۱۲صفحات

سن اشاعت : ۲۰۰۶ء[اولیں مدونہ ایڈیشن]

قیمت : درج نہیں

ناشر : سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن،

۶۵-۶۱، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری، نئی دہلی۔۱۱۰۰۵۸

فارسی زبان میں عام روش سے ہٹ کر لکھی جانے والی قرابادین قادری دراصل حکیم محمد اکبرارزانی کے خلاقانہ اور اختراعی ذہن کی ناقابل فراموش دین ہے، جس پر طب یونانی جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔ یہ دراصل ان کی زندگی بھر کی کاوش اور تجربات کا نچوڑ ہے، کیونکہ یہ ان کی آخری تالیف ہے جسے ان کے قلم فیض رقم نے ۱۷۱۸ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچایا تھا۔ یہ اس عہد کی دین ہے جب فارسی زبان کا بول بالا تھا، جسے زمانے کے تقاضے کے پیش نظر بعد میں حکیم نور کریم دریا آبادی نے اردو کا جامہ پہنایا، جو بلاشبہ بیسویں صدی کے نصف اول تک ارباب فن کی ضروریات کی پابجائی کرتی رہی، لیکن مرور ایام کے ساتھ زبان کی غرابت، قدیم انداز پیش کش اور سب سے بڑھ کر اس نسخہ کی عدم اشاعت کے سبب رفتہ رفتہ یہ ترجمہ بھی نوادر کی صف میں شامل ہوگیا، گوکہ عملی اور سریری نقطۂ نظر سے آج بھی اس کی اہمیت مسلم ہے۔ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نے نادر و نایاب کتابوں کے بازاشاعتی پروگرام کے تحت تدوین، ترتیب اور تسہیل زبان کے بعد

کیمیائے عناصری کو اسی جذبے کے تحت پیش کیا ہے کہ اس سے اکتساب فیض کا راستہ ہموار ہو جائے۔

عصر حاضر کی ضروریات کے تحت نہ صرف اس کے محتویات کو وسعت دی گئی ہے، بلکہ اس کی فہرست بھی از سر نو مرتب کی گئی ہے اور ہر باب نئے صفحہ سے شروع ہو رہا ہے، یہی نہیں بلکہ عسیر الفہم تراکیب والفاظ کو ممکن حد تک سریع الفہم بھی بنایا گیا ہے۔ تدوین میں اس امر کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ مختلف اعضاء اور ان کے امراض سے تعلق رکھنے والی ادویہ مرکبہ ایک ہی باب میں محدود رہیں اور ان ابواب کا تعلق مختلف اعضاء اور ان کے نظام سے قائم رہے، تاکہ طلباء اور عام عاملین فن کو علاج معالجہ میں ان سے استفادہ میں کوئی دشواری نہیں آئے۔

کتاب کو ۵۶ گونا گوں ابواب کے تحت تقسیم کیا گیا ہے اور آخر میں ضمیمہ کے تحت "اوزان ادویہ" کے زیر عنوان قدیم اور ان کے عشری میٹرک متبادل پیش کیے گئے ہیں۔ یہ ضمیمہ عملی مطلب اور دواسازی میں یقیناً معین ثابت ہوگا۔

کونسل کے ہمہ جہتی تحقیقی پروگرام میں لٹریری ریسرچ [علمی تحقیق]، کلینیکل ریسرچ (سریری تحقیق)، ڈرگ اسٹینڈرڈائزیشن [دواؤں کی معیاری بندی] اور سروے اینڈ کلٹی ویشن آف میڈیسنل پلانٹس [دوائی پودوں کا جائزہ اور ان کی کاشت] شامل ہیں۔ چنانچہ اول الذکر پروگرام کے تحت قدیم علمی ذخائر کی تلاش وجستجو، تدوین، ترتیب وتہذیب اور جدید ہندوستانی زبانوں بالخصوص اردو میں ان کی منتقلی کا کام جاری ہے۔ بہت سی کتابیں اشاعت پذیر ہونے کے باوصف مرور ایام کے ساتھ ساتھ عام عاملین فن کی دسترس سے باہر ہوتی جارہی ہیں، انہیں میں زیر تبصرہ کتاب بھی شامل ہے، جسے کونسل نے دستبرد زمانہ سے محفوظ کرنے کے لیے اپنے بازاشاعت پروگرام میں نہ صرف شامل کیا، بلکہ نئے رنگ وآہنگ کے ساتھ شائع کر کے شائقین فن کی خدمت میں پہنچایا بھی ہے۔

کتاب کی کتابت وطباعت نہایت شاندار اور کاغذ معیاری ہے۔ معنی خیز ڈسٹ کور کے ساتھ عمدہ جلد نے اسے حیات نو عطا کی ہے۔ امید کہ علمی وفنی حلقوں میں اس کی بھرپور پذیرائی ہوگی۔

(سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، اپریل-جون، ۲۰۰۷ء)

●●●

جگرِ لخت لخت

مصنف : حکیم سید غلام مہدی رازؔ
اشاعت : ۲۰۰۷ء
ضخامت : ۲۸۰ صفحات
ناشر : ایچ-۱۸، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

"جگرِ لخت لخت" حکیم سید غلام مہدی راز کے ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے یا سیمینار و کانفرنس میں پڑھے گئے۔ گو کہ ادبی و طبی موضوعات پر لکھے گئے اکثر مقالات جستہ جستہ نظر نواز ہوتے رہے، تاہم اس حسین مرقع کی صورت گری قندِ مکرر کا لطف دے گئی۔

حکیم غلام مہدی کا تعلق نوگانواں سادات کے ایک معزز خانوادے سے ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس کے بعد دس سال ہمدرد دواخانہ لال کنواں نیز سابق ہمدرد ریسرچ کلینک اینڈ نرسنگ ہوم، آصف علی روڈ، نئی دہلی سے وابستگی کے بعد وزارت صحت کے خود مختار ادارہ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان انڈین میڈیسن اینڈ ہومیوپیتھی (CCRIM & H) اور اب سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن (CCRUM) سے منسلک ہوئے اور یہیں سے کم و بیش تیس سال چکی کی مشقت کے بعد ۲۰۰۰ء میں وظیفۂ حسن خدمت پر سبکدوش ہو گئے تاہم فرائض منصبی باحسن الوجوہ انجام دینے کے باوصف نہ مشقِ سخن میں کمی آئی اور نہ راہوارِ قلم سست ہوا۔ انگریزی اور عربی کے علاوہ فارسی اور اردو پر بھی انہیں دستگاہ کامل حاصل ہے۔ بلند شعری ذوق رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے دو شعری مجموعے "متاعِ غم" اور "درد کا صحرا" ادبی دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ کونسل میں کمیاب طبی کتب و مخطوطات کی ترتیب و تہذیب نیز تدوین و ترجمہ کے کام انہیں تفویض کیے گئے تھے۔ انہوں نے "فارسی ادب کی جھلکیاں" لکھ کر ادبی اور تنقیدی سطح پر بھی

اپنی شناخت بنانے کی سعی کی ہے۔

کتاب کے نام کا استنباط غالب کے مشہور شعر " کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو...... سے کیا گیا ہے، جو برمحل بھی ہے۔ اس میں طبی و ادبی موضوعات کے علاوہ ذاتی یادداشت پر بھی اشہب قلم دوڑایا گیا ہے۔ ۳۳ طبی و ادبی مضامین کے اس مجموعہ میں بڑی بوقلمونی پائی جاتی ہے، چنانچہ علمی و فنی مقالات میں ابن القف مسیحی، طب یونانی اور اسلامی تعلیمات، حفظ صحت، معالجہ اور اسلامی تعلیمات، ابن رشد ایک فلسفی طبیب، تاریخ طب کی قدیم کتابوں کا تنقیدی تجزیہ اور تقابلی مطالعہ، اسمٰعیل جرجانی اور ان کی طبی تالیف، اسمٰعیل جرجانی اور ذخیرہ خوارزم شاہی، امراض قلب، تحفظ اور معالجہ، محیط اعظم، عالمی تناظر میں تجدید طب وغیرہ میں تحقیق کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔

ادبی و تنقیدی مضامین میں یوسف ہروی...... فارسی زبان کا ایک طبیب شاعر، معیار نظر پر ایک نظر، افسانہ نگار طبیب اور محقق...... کوثر چاند پوری، قصائد ذوق میں طبی اصطلاحات، اردو شاعری پر فارسی زبان کے اثرات اور تنوع سخن سے ان کے وسعت مطالعہ، نیز تعمق نظر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

راز نے چند طبی اداروں اور طبی رسائل کو بھی اپنی گفتگو کا محور بنایا ہے، جس سے ان کے قوت مشاہدہ اور تجزیہ و تجزیہ کا پتہ چلتا ہے، مثلاً غالب اکیڈمی، چند لمحے مدینۃ الحکمت میں، عالمی تناظر میں تجدید طب، طب یونانی میں درسی کتاب کی تصنیف و تالیف کی صورت حال، طب یونانی آئندہ ہزار سال میں، طب یونانی مغربی بنگال میں۔

کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی زبان کا لطف لینا ہو تو حکیم صاحب کی یادیں پڑھیے، جس میں حکیم عبدالحمید کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اس خوبی اور احتیاط سے اجاگر کیا گیا ہے، جیسے ماہر سنگتراش قیمتی پتھر پر حسین نقوش بلا تکلف ابھارتا چلا جاتا ہے۔ اس مضمون سے واضح ہوتا ہے کہ افادہ و استفادہ میں بھرپور توازن آخر تک برقرار رہا۔ اسی طرح حکیم کوثر چاند پوری، حکیم حماد عثمانی اور حکیم محمد عبدالرزاق وغیرہ جیسی دیگر شخصیات پر لکھے گئے مضامین بھی انتہائی تاثراتی اور معلومات آفریں ہیں جن میں ان مرحومین کی حیات کے کتنے اہم گوشے صفحات قرطاس پر ثبت ہوگئے ہیں۔ حکیم سید ظل الرحمن اور خود اپنی ذات پر "ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا" کے تحت گہر افشانی کی گئی ہے۔ اردو میں لکھی گئی اکثر خود نوشت سوانح یا تو کئی پہلوؤں سے تشنہ ہوتی ہیں یا خود ستائی

کی مظہر، تاہم ذرا عمر رفتہ، میں شخصی واردات اور غیر شخصی واقعات کی نسبتاً ایک متوازن اور دلچسپ روداد پیش کی گئی ہے، جسے پڑھتے ہوئے قاری اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

'جگر لخت لخت' کی سطر سطر سے سلاست و شگفتگی، زبان و بیان پر قدرت اور عصری حسیت ہویدا ہے۔ تحقیق اور وسعت مطالعہ مصنف کی سرشت میں داخل ہے۔ ان کے قلم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تاوقتیکہ کہ معاملہ کی تہ تک نہ پہنچ جائیں حتمی رائے پیش کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اسی غواصی کے نتیجے میں جو لعل و گہر ہاتھ آتے ہیں، قاری کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر اس تلاش و جستجو کے باوجود کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو فیصلہ قاری کے اوپر چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ اس تحقیقی مواد کی روشنی میں قاری خود بخود نتیجہ اخذ کر لیتا ہے۔

حکیم غلام مہدی راز میں ایک بڑے فنکار کی تمام خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں، مثلاً مشاہدہ، حس مزاح، اظہار کی قوت، نفسیات کا گہرا مطالعہ اس پر مستزاد مطالعہ کی وسعت ان کی تحریر کو دوآتشہ بنا دیتی ہے۔ زیر نظر گلدستۂ مضامین میں طب بھی ہے، تاریخ طب بھی، ادب بھی ہے، فلسفہ بھی، نفسیات بھی ہے، شخصیات بھی، ساتھ ساتھ عرفان ذات کا برملا اظہار بھی۔ اس بوقلمونی نے اس کو ادبی اور طبی موضوعات سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ اور اساتذہ کے لیے اہم سوغات بنا دیا ہے۔ کتاب کا انتساب حکیم عبدالحمید کے نام کیا گیا ہے۔ اس میں چار مشاہیر ادب کی تقریظ و آرا شامل ہیں، جن کی چنداں ضرورت نہ تھی، کیونکہ مصنف کی شگفتہ تحریر اپنا تعارف خود کراتی ہے۔

سرورق بامعنی اور جاذب نظر ہے۔ ہارڈ باؤنڈ اس پر مستزاد۔ اصل جلد اور گرد پوش پر یکساں خوبصورت ڈیزائن دلکشی میں اضافہ کا باعث ہے۔ منتشر لیکن مفید مضامین کی کتابی شکل میں بازاشاعت پر مصنف مستحق مبارکباد ہیں۔ امید کہ " جگر لخت لخت " کو طبی اور ادبی حلقوں میں یکساں مقبولیت حاصل ہوگی۔

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، الٰہ آباد، اکتوبر-دسمبر، ۲۰۰۷ء)

●●●

سفر نامۂ بنگلہ دیش

مصنف : پروفیسر حکیم سید ظل الرحمٰن
ضخامت : ۱۶۰ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
ملنے کا پتہ : مکتبہ جامعہ، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ

بقول اقبال سہیل ۔

گم تھی فضائے عشق میں کل کائنات حسن
اٹھا غبار قیس تو محمل نہیں رہا

لیکن پروفیسر ظل الرحمٰن کا "سفر نامۂ بنگلہ دیش" پڑھ کر قاری کو ایک منفرد اور خوش گوار تجربہ ہوگا کہ غبار قیس اٹھنے سے پہلے پہلے انہوں نے کائنات کا سارا حسن اپنے دل و دماغ میں سمولیا جسے بعد میں صفحات قرطاس پر بکھیر کر ہمارے ذوق مطالعہ کی تسکین کی خاطر شائع بھی کردیا۔

ظل الرحمٰن کا "ایران نامہ" پہلے ہی شائع ہوکر خراج تحسین حاصل کرچکا ہے۔ اب "سفر نامہ بنگلہ دیش" پیش کر کے ایک بار پھر ارباب قلب ونظر کے لیے زبان و بیان کے حسن کے ساتھ ساتھ اور جنگل منظر نگاری کا مرقع فراہم کیا ہے جسے پڑھ کر اقبال سہیل ہی کا یہ شعر بے ساختہ نوک زباں پر آجاتا ہے۔

جوانو یہ صدائیں آرہی ہیں آبشاروں سے
چٹانیں چور ہوجائیں جو ہو عزم سفر پیدا

دراصل ۱۹۹۶ء میں حکیم سید ظل الرحمٰن کو عالمی ادارۂ صحت (WHO) کے مشیر کی حیثیت سے بنگلہ دیش میں قیام کا موقع ملا، جہاں نہ صرف اس کی راجدھانی ڈھاکہ بلکہ اطراف واکناف کے

مختلف شہروں میں بھی جانے کے مواقع ملے۔ تین مہینے کے طویل قیام کے دوران انہوں نے جو روزنامچے قلم بند کیے تھے انہیں کی اساس پر ایک حسین گلدستہ، "سفرنامۂ بنگلہ دیش" کے نام سے ترتیب دیا جسے دیکھ اور پڑھ کر دل ونگاہ کو آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ بنگلہ دیش کے خوبصورت خطۂ ارض کے فطری رنگ وروپ کو ظل الرحمٰن نے بہت قریب سے اور ذہنی استحضار کے ساتھ دیکھا جو ابلاغ واشتہار کی لعنتوں سے دور اپنے قدرتی حسن پر آج بھی بجا طور پر نازاں ہے۔ ممکن ہے بہت سے لوگوں نے وہاں کا سفر اس سے پیشتر بھی کیا ہو اور ان کے تاثرات بھی مختلف ہوں تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ حقیقی حسن تک رسائی صرف دیدۂ بینا کو حاصل ہوتی ہے ۔

غالب جو ترا حال ہے ایسا تو نہیں وہ
کیا جانیے تو نے اسے کس حال میں دیکھا

چنانچہ اقتباس ذیل سے یہ اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں کہ ظل الرحمٰن نے مشرقی بنگال کی سحر آگیں فضاؤں کو انوکھے زاویۂ نگاہ سے دیکھا ہے:

"اقبال عظیم کی اس بات میں بڑی سچائی ہے کہ بنگال ہمارے لیے ہمیشہ سحر وطلسمات کی ایک سرزمین رہا اور ہم اپنے تصور میں ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ ہماری دنیا سے کہیں دور وہ ایک پر اسرار اقلیم ہے۔ ہماری یہ بیگانگی اور بے خبری اس وقت بھی باقی تھی جب پنھان اور مطیۂ گمرو میں شامل ہو کر بنگال ایک زرخیز دولت مند صوبہ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس کی حیثیت اس وقت بھی باقی رہی جب شمالی اور مشرقی ہندوستان سے اس کے روابط محکم و مستقل ہو چکے تھے اور اب بھی باقی ہے۔ مشرقی بنگال سے ہمارے بُعد کا سبب اس کا غیر معمولی جغرافیائی محل وقوع اور دشوار وسائل سفر ہیں جنہوں نے ہمارے مورخوں اور سیاحوں کو ادھر سے دامن کشاں گزر جانے پر مجبور کر دیا۔"

انداز بیان اتنا دلچسپ اور زبان اتنی شستہ ہے کہ کتاب پڑھتے پڑھتے قاری خود کو سیاح کا ہمسفر محسوس کرنے لگتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بہ نفس نفیس ان مقامات کی سیاحت کر رہا ہے۔ مثلاً:

ڈھاکہ نیشنل میوزیم، گورنمنٹ یونانی وآیورویدک کالج، ڈھاکہ یونیورسٹی، بنگلہ اکاڈمی،

ایشیاٹک سوسائٹی، ہمدرد بنگلہ دیش، بورڈ آف یونانی و آیورویدک، نیشنل عیدگاہ، شہید مینار، نواب باڑی، حسن منزل، حسینی والان، سینٹ میری چرچ، کالرا ہاسٹل، بیت المکرّم (خانہ کعبہ کی طرز پر تعمیر مسجد)، حکیم حبیب الرحمٰن فاؤنڈیشن، نیورولوجی ہاسپٹل، سہروردی پارک، لال باغ، بڑا کٹرہ، آرمینیائی چرچ، صدر گھاٹ، متفورڈ ہاسپٹل، سلیم اللہ میڈیکل کالج، چھوٹا کٹرہ، کرزن ہال، اسلامک فاؤنڈیشن، فائن آرٹس انسٹی ٹیوٹ کھلنا، سلہٹ، چٹا گانگ، ضیاء الرحمٰن میوزیم، لوگرا یونانی کالج، مہااستھان گڑھ، نیشنل بوٹانیکل گارڈن، ششو بھون، الجامعہ الرحمانیہ، مسجد سات گنبد، بولڈا گارڈن، سلہٹ طبیہ کالج وغیرہ۔

حکیم ظل الرحمٰن کے تاثرات کے ساتھ ساتھ قوت مشاہدہ کا پتا حسب ذیل شخصیات کے مطالعہ کے بعد چلتا ہے:

حضرت شاہ بازی، ڈاکٹر اسحاق، حکیم حبیب الرحمٰن، مولانا عبدالرحمٰن کاشنوی ندوی، حاجی محمد حسن، حکیم خواجہ رضوان احمد وغیرہ۔

بنگال کا انقلابی ذہن، بنگلہ دیش میں اردو، مرکز جماعت تبلیغ، اردو کی فضا، سرسید کی کتابوں کے بنگلہ ترجمے، سید سلیمان ندوی اور ڈھاکہ، سیاسی عدم استحکام، پروفیسر عبداللہ، شمالی کوریا کی یونانی طب میں دلچسپی وغیرہ۔

امید کہ پاکیزہ کتابت، روشن طباعت، معنی خیز سرورق اور ہارڈ باؤنڈ ''سفرنامہ بنگلہ دیش''، اردو داں اور اردو خواں بالخصوص ذوق سیاحت کے حامل ارباب ادب کے حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

(ماہنامہ کتاب نما، نئی دہلی، جون ۲۰۰۸ء)

●●●

کتاب التکلیس

مولف : حکیم محمد کبیر الدین

اشاعت : ۲۰۰٦ء

ضخامت : صفحات

قیمت : درج نہیں

ناشر : سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن،

٦٥-٦١، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری، نئی دہلی-۱۱۰۰۵۸

کشتہ جات کا استعمال ہندوستان میں صدیوں سے ہوتا چلا آیا ہے جس کی بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جن جڑی بوٹیوں میں یہ کشتے تیار کیے جاتے ہیں، ہندوستان میں بکثرت ملتی ہیں۔ سنجیدہ مزاج لوگ کشتہ کو اکسیر اعظم پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن دوسرا طبقہ بضد ہے کہ ہر زہر کا علاج ممکن لیکن کشتہ کا زہرلا علاج ہے۔ کشتہ کشتہ می کند (کشتہ کشتہ کرکے چھوڑتا ہے)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خام رہ جانے کے سبب بعض کشتے سم قاتل ثابت ہوتے ہیں اور خون میں فساد پیدا کردیتے ہیں، یا ان کی مقدار معینہ مقدار سے زیادہ ہوجاتی ہے مثال کے طور پر سنکھیا جو خردل کی مقدار میں بھی قاتل ہے، موسم، مزاج اور امراض کی رعایت سے اگر ایک خشخاش کے بقدر استعمال کیا جائے تو مہلک نہیں ثابت ہوگا۔ درحقیقت ہر دوا کی ایک ہی مقدار متعین ہے۔ جب وہ دوا اُس مقدار میں استعمال کی جائے گی، تب ہی مہلک ثابت ہوگی (Fatal dose)۔

ایک قسم یا چیز کے مختلف کشتوں میں مختلف تاثیرات کا اصل راز یہ ہے کہ اس چیز کو مختلف ترکیبوں سے کشتہ کیا گیا ہے، مثلاً سم الفارنی ذاتہ سخت گرم، خشک تیز زہر ہے۔ اگر اس کو دودھ، گھی، بیضہ مرغ، مختلف حیوانات کے گوشت اور ادویہ باہیہ میں مدبر کیا جائے تو انتہائی مقوی باہ ثابت ہوگا۔ اگر افیون دھتورہ وغیرہ سے ترکیب دیا جائے تو بے حد ممسک ہوجائے گا اور اگر برگ پان اور ادرک وغیرہ کے ساتھ محق کیا جائے تو عمدہ مقوی معدہ و مشتہی ثابت ہوگا۔ بعینہ

اگر چوب چینی، شاہترہ وغیرہ کے ساتھ مرکب ہو تو اعلیٰ درجہ کا مصفی خون، اگر حنظل شیر تھوہر سے کشتہ کیا جائے تو قوی مسہل ثابت ہوگا۔ ماہرِ فن طبیب کسی کشتہ کی ترکیب دیکھ کر بلا تامل بتا سکتا ہے کہ وہ کن امراض کے لیے اکسیری حکم رکھتا ہے۔ اسی طرح کشتہ شدہ دوا مختلف بدرقوں کے ساتھ مختلف اثرات رونما کر سکتی ہے۔

کشتہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سخت اور ناقابل نفوذ دوا بھی کشتہ ہونے کے بعد تنگ عروق میں بھی بلا تکلف سرایت کر جاتی ہے اور انجکشن کی طرح اپنا اثر دکھاتی ہے۔ کشتہ ہونے کے بعد دوا کے زہریلے اثرات زائل ہو جاتے ہیں اور افادیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ حکیم محمد کبیر الدین نے بجا طور پر لکھا ہے:

> ''فن تکلیس ہماری دوا سازی کا ایک نہایت اہم شعبہ ہے اور طب جدید اپنے تمام ارتقائی مدارج طے کر لینے کے باوجود اطبائے ہند کی ان اکسیری اور یہ کا کوئی بدل مہیا نہیں کر سکی ہے، جنہیں کشتہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مریض کے حالات کے مطابق ایک عمدہ کشتہ کا صحیح انتخاب بسا اوقات ایسے حیرت انگیز آثار ظاہر کرتا ہے کہ دیکھنے والے اس کو معالج کی کرامت تصور کرتے ہیں''۔

۱۹۲۲ء میں ادارہ المسیح، دہلی نے حکیم محمد کبیر الدین کی ایماء پر فن تکلیس پر یہ کتاب موسوم بہ ''کتاب التکلیس معروف بہ علم کشتہ جات'' مرتب کی، جس پر بعد میں از اول تا آخر نظر ثانی کی گئی۔ اس میں فن کشتہ سازی کی غرض و غایت، مدابیر و تراکیب نیز اس فن کی متعلقہ مصطلحات پر بڑی بصیرت افروز اور معلومات آفریں روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب کم و بیش پانچ سو کشتہ جات پر محیط ہے، جس میں ان کے بنانے کی ترکیبوں، مختلف امراض میں ان کی افادیت اور احتیاطی تدابیر پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اس کتاب کی افادیت کے پیش نظر ہی ''نادر و نایاب کتب کی فراہمی اور اشاعت اسکیم'' کے تحت سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نے اسے شائع کر کے نئی نسلوں کے لیے اس کا جوئے فیض جاری کرنے کی جانب ایک مستحسن قدم اٹھایا ہے۔ اس کی اہمیت اس لحاظ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ ڈرگ ایکٹ میں بھی اس کا حوالہ موجود ہے۔

یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ ناگزیر ہے کہ اسے علامہ حکیم محمد کبیر الدین کی تالیف قرار دیا گیا ہے، جب کہ حکیم محمد کبیر الدین اسی کتاب کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں:

> ''۱۹۲۲ء میں ادارہ المسیح نے میرے ایماء سے یہ کتاب مرتب کی تھی، جو اب چھپ رہی ہے''۔

لیکن بعد میں پتہ نہیں کس مصلحت کے تحت اسے حکیم کبیر الدین کی تالیف قرار دے دیا گیا۔ یہی المیہ دفتر المسیح سے شائع شدہ اکثر تالیفات کے سلسلے میں رونما ہوا ہے۔

''کتاب الحکلیس'' بہرحال انتہائی مفید ہے اور اس کی اشاعت پر کونسل مستحق مبارکباد ہے۔ امید کہ طبی و فنی حلقوں میں اس کتاب کی بازاشاعت کو بہ نظر استحسان دیکھا جائے گا۔

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، الہ آباد، جنوری - مارچ ۲۰۰۸ء)

●●●

تذکرہ اطبائے اودھ

مصنف : پروفیسر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی
ضخامت : ۵۳۱ صفحات
اشاعت : ۲۰۰۸ء
قیمت : ۳۵۰روپے
ناشر : ادارہ ادبیات دلی، ۵۸۰۳، صدر بازار، دہلی

جس طرح اردو ایک زبان ہی نہیں، ایک تہذیب بھی ہے، ترقی یافتہ تہذیب شائستہ اور شستہ تہذیب، اسی طرح طب یونانی بھی ایک فن ہی نہیں جیتی جاگتی تہذیب وتمدن کی آئینہ دار بھی ہے۔ اس نے پورے ملک پر بالعموم اور اودھ کے علاوہ دکن اور دہلی پر بالخصوص جو انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، انھیں نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ خاص طور پر فیض آباد اور لکھنؤ میں اطبائے اودھ کے مورثین اعلیٰ نے جوفن کی جوت جگائی اس کی تنویریں باصلاحیت تلامذہ کی وساطت سے دور دور تک پہنچیں۔ ان کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں نہ صرف اودھ بلکہ پورے ملک میں علم طب کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ دلی کے اجڑنے کے ساتھ ساتھ لکھنؤ اور فیض آباد علم وادب کے اہم مرکز بن کر ابھرے۔ لکھنؤ کے نوابین، تعلقہ داروں، زمینداروں اور دیگر صاحب ثروت لوگوں نے اطبا کا والہانہ استقبال کیا۔ ویسے متقدمین فرماں رواؤں کی معارف پروری ہی کے بدولت ہر علم و فن میں ایک سے بڑھ کر ایک علمی کارنامے منصۂ شہود پر آئے، لیکن لکھنؤ کے فرماں رواؤں کے دربار میں جو مقام اطبا کو حاصل ہوا، دوسرے دانشور اس کی گرد بھی نہ پاسکے۔ صحت تو ہر دور میں ہر فرد کی اولین ضرورت رہی ہے۔ لیکن فرماں روایان اودھ کو''کچھ اور''''نیز''''ہل من مزید'' بھی درکار

تھا جس کی پا بجائی اطباء کا ذہن رسا اور دستِ شفا ہی کر سکتا تھا۔

اطبائے اودھ نے کامیاب مطب کے ساتھ ساتھ نہ صرف فارسی زبان میں خامہ فرسائی کی بلکہ بہت سے علمی وفنی سرمائے کو اردو زبان کے قالب میں بھی ڈھالا۔علاوہ بریں اردو زبان میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ بیشتر اطبائے اودھ میں شعر وادب کا ستھرا ذوق موجود تھا۔اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہو گا کہ اطبا اور طب یونانی نے سرمایۂ زبان اردو میں گرانقدر اضافے کئے۔اس کو کتنی تلمیحات اور فقید المثال ضرب الامثال سے مالا مال کیا۔کتنی رمزیت اور اشاریت عطا کی۔اردو زبان وادب اور شعر وسخن پروری میں طب یونانی کی وساطت سے بالخصوص اطبائے اودھ نے گنجہائے گرانمایہ عطا کیا ہے،لیکن افسوس کہ ان اطبائے اودھ کا کوئی مربوط سلسلہ نہیں تھا اور اودھ کے مشاہیر اطباء کے جو تذکرے منتشر حالات میں موجود تھے،ان کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ بھی تھا۔علاوہ بریں اس سلسلے کی اہم کڑیاں،یعنی جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں۔ایسی صورت میں ان سے براہ راست رابطہ قائم کر کے حالات وکوائف قلمبند کرنے کے زریں مواقع بھی مفقود ہوتے جارہے ہیں۔ان اطبا کی خدمات اور موجودہ دگرگوں صورت حال نے پروفیسر حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی کے جذبۂ تصنیف و تالیف کو مہمیز کیا اور نتیجۂ کار تذکرہ اطبائے اودھ جیسی اہم کتاب مکمل ہوگئی۔ یہ موضوع بلا شبہ ہنوز تشنہ تھا،اور اس پر پہلی بار قلم اٹھانے کا کریڈٹ کمال صاحب کو جاتا ہے۔

حکیم کمال الدین سابق چیرمین شعبہ کلیات کا راہوار قلم ۱۹۵۰ء سے ۲۰۰۰ء تک برابر رواں دواں رہا اور نتیجہ کار طبی اور اسلامی اثنا عشری موضوعات پر ان کی ۳۴ کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔زیر تبصرہ کتاب ان کی آخری تصنیف ہے جو ان کی حیات میں طبع نہ ہو سکی۔

بلا شبہ حکیم کمال الدین کے پیش نظر ایک جامع منصوبہ رہا ہوگا،اور اس کے لئے انھوں نے ممکنہ حد تک تگ ودو بھی کی ہوگی،لیکن پھر بھی وہ خاطر خواہ تذکرہ مدون نہ کر سکے۔جس کا سبب حالات کی چیرہ دستیاں اور متعلقہ افراد کی سہل مہری رہی ہوگی۔انھیں کے لفظوں میں:

"مولف کتاب ہذا نے اطبائے اودھ کا ایک جامع تذکرہ مدون کرنے کا منصوبہ بنایا اور

مشاہیر اطبائے اودھ اور اودھ کے طبی خانوادوں کے حالات اور تصاویر وغیرہ حاصل کرنے کی سعی بلیغ کی تا کہ مشہور اطبائے اودھ کے طبی کارنامے تاریخ اودھ سے محو نہ ہو جائیں۔ لیکن باوجود تلاش بسیار کے میں جیسا کہ چاہتا تھا، تذکرہ مرتب نہ کر سکا، جس کی بنا میرے وسائل و ذرائع کی کمی اور اکثر اطبا کے حالات کی امتداد زمانہ کے ہاتھوں بربادی ہے۔"

لیکن اس کے باوجود کمال صاحب نے تذکرہ کے روپ میں جو کچھ دیا، خاصے کی چیز ہے۔ یہ مشکل مرحلہ انھوں نے کسی طرح سر کیا، ان کے بیٹے پروفیسر سید عزیز الدین کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے:

"میرے والد پروفیسر سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی مرحوم نے اٹھارھویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی دور تک اودھ میں کام کر رہے اطبا کے تذکرہ کو ترتیب دیا تا کہ ان کی حیات اور کارناموں کو محفوظ کیا جا سکے۔ یہ بڑا مشکل کام تھا، لیکن وہ آخر عمر میں بڑی محنت و مشقت سے اس میں لگے رہے۔ میں اس تذکرہ کو ان کا ایک اہم علمی کارنامہ سمجھتا ہوں، جو آئندہ اودھ پر تحقیق کرنے والے دانشوروں کی رہنمائی کرتا رہے گا۔"

یہ کتاب شائد اب بھی پردۂ خفا میں رہتی، اگر ان کے فرزند ارجمند کی رسائی اس فائل تک اور وہ بھی اتفاقانہ ہو جاتی، جس میں اس کتاب کا مسودہ "محفوظ تھا۔ عنوان تذکرہ اطبائے اودھ" پڑھ کر تو انھیں فردوس گمشدہ پانے کا احساس ضرور ہوا، لیکن آخر میں جب یہ لکھا ہوا دیکھا تو عجیب و غریب کرب سے بھی دو چار ہوئے:

"ابھی طبع نہیں ہوا ہے"

کتاب کا انتساب حکیم سرشاہ خیرات علی ہمدانی کے نام کیا گیا ہے جنھوں نے ۱۸ اروں صدی عیسوی میں قصبہ جلالی، ضلع علی گڑھ میں طب کو فروغ دیا۔

باب دوم فہرست تذکرہ اطبائے اودھ پر مشتمل ہے۔

باب سوم اطبائے قصبہ جلالی، ضلع علی گڑھ، اتر پردیش پر مشتمل ہے، جو مرحوم کا وطن مالوف بھی ہے۔ اسی آخری باب پر کتاب اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔ جبکہ باب اول ندارد ہے۔ اسے

مرتب کو دیکھنا چاہئے تھا۔

کتاب کا پیش لفظ خود مصنف کے قلم کا مرہون منت ہے، پیش گفتار یا دوسرا پیش لفظ محمد حسن مظفری مسؤل خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران نے لکھا ہے۔

دیباچہ مرحوم کے فرزند پروفیسر سید عزیز الدین حسین ہمدانی نے لکھا، جو خود شعبۂ تاریخ سے وابستہ ہیں۔ تاریخی مضمرات اور جذباتی محسوسات نے اسے کیف وکم سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ اس کے بعد ایک مکتوب خود مصنف کے نام شائع کیا گیا ہے، جسے حکیم صفدر نواب لکھنوی نے اس کتاب کی تدوین کے سلسلے میں لکھا تھا، پھر مختلف تعزیت نامے، قرار دیں اور منظوم خراج عقیدت بھی شامل کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد مصنف کی مختصر سوانح وتالیفات کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

اصل کتاب میں ص ا سے شروع ہوتی ہے، جس میں گونا گوں موضوعات پر بڑی معلومات آفریں گفتگو کی گئی ہے، مثلاً اودھ کا محل وقوع، نوابان وشاہان اودھ کی مدت وزارت وبادشاہت، نوابان اودھ کے عہد میں طب یونانی کا فروغ۔

تذکرہ اطباء اودھ میں فیض آباد، ردولی، لکھنؤ، بدایوں، خیر آباد، کنتور، دریاباد، بلگرام، سندیلہ، غازی پور، اعظم گڑھ، زنگی پور، مبارک پور (اعظم گڑھ) جونپور، بنارس، ریاست فرخ آباد، رام پور، امروہہ کے کم وبیش ۱۴۱۹ اطبا اور ان کے خاندانوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ علاوہ بریں مختلف مشاہیر اطباء کے مطب، مجربات اور بیاضوں کے ساتھ ساتھ مختلف طبی انجمنوں، اداروں اور تحریکات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ چند ادارے تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئے ہیں مثلاً منبع الطب کالج اور وہاجیہ طبیہ کالج لکھنؤ۔

اب ذرا دوسرے پہلو پر بھی روشنی ڈالتے چلیں۔ اطبا خاص طور پر غیر معروف اطبا کے مزید حالات وکوائف کی ضرورت تھی، جو بعد میں لوگوں کے حافظہ سے بھی محو ہو جائیں گے، بہت سے اطباء کی شمولیت ضروری تھی، بیسیوں ناموران اعظم گڑھ کا اضافہ ممکن تھا۔

مثلاً برادر محترم حکیم رشید احمد مرحوم جو الہ آباد کے ممتاز طلبہ میں سے تھے، کو مفردات پر بڑا عبور حاصل تھا، دست شفا بھی حاصل تھا۔ ان کے ایک سے ایک کیس رپورٹ قابل اندراج

تھے، وہ تو خیر میڈیکل آفیسر تھے، خود ماموں حکیم عبدالرزاق مرحوم رسول پور (ضلع فیض آباد) کے نامور طبیب تھے، منبع الطب کالج لکھنؤ سے فارغ تھے۔ دیسی جڑی بوٹیوں سے علاج میں ۴۔۵ اضلاع میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، نہایت متدین، نماز فجر پڑھ کر مطب پر بیٹھتے تھے تو ظہر کے وقت اٹھتے تھے، وہ بھی نماز کے وقت، مرجوعہ اتنا زیادہ رہتا تھا کہ پھر بھی سلسلہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ نماز ظہرانہ اور قیلولہ کے بعد انھیں دیکھتے تھے۔ بہت سی مفرد دوائیں خود کاشت کراتے تھے۔ دو مزدور کوٹنے پیسنے پر متعین رہتے تھے۔ دو کمپاؤنڈر مامور تھے، جنھیں سانس لینے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ ۱۹۶۲ء میں سرزمین حجاز پر مناسک حج ادا کرنے کے بعد رحلت فرمایا، یہی ان کی آخری تمنا بھی تھی۔ اسی سال شفاء الملک حکیم احمد عثمانی مرحوم کا بھی وہیں دوران حج انتقال ہوا تھا۔

بعینہٖ سرزمین گنگ وجمن الٰہ آباد کا تذکرہ تک نہیں کیا گیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حدود اودوھ میں خود مصنف نے اسے شامل کیا ہے اور یہاں نہ صرف یہ کہ بہت سے سربرآوردہ اطباء نے اپنے انمٹ نقوش چھوڑے تھے بلکہ ایک پوری خاندان یعنی خاندان عثمانی کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ بریں اس موضوع پر اسی خانوادہ کے چشم و چراغ حکیم سعد عثمانی کی ایک مکمل تصنیف بھی موجود تھی۔

بہر حال خود مصنف بھی اس تذکرہ سے مطمئن نہیں تھے، جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ امید کہ طبع دوم میں پروفیسر عزیز الدین اس کمی کو پورا کرنے کی سعی فرمائیں گے۔ باب دوم کے کتاب کی فہرست براہ راست شروع ہو جاتی ہے۔ باب اول کا پتہ نہیں۔

ص ۵۲۹ پر حکیم سید محمد شجاع الدین حسین ہمدانی کے بارے میں لکھا ہے کہ "آپ نے بی۔ یو۔ ایم۔ ایس۔ کی ڈگری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ۱۹۵۴ء میں حاصل کی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۵۸ء سے پہلے تک بی۔ یو۔ ٹی۔ ایس ڈگری ہی تفویض کی جاتی تھی۔

اس دستاویزی تذکرہ میں کتابت کی غلطیاں بری طرح کھٹکتی ہے۔ جس کا اندازہ مندرجہ ذیل چند مثالوں سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے:

صفحہ	سطر	غلط	درست
Viii		ہم سو گئے داستاں کہتے کہتے	ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے
IX	۱۹	رہتے تھے منتخب جہاں......	، رہتے تھے منتخب ہی جہاں ...
۸	۹	کے چھوٹے بیٹے کے چھوٹے بیٹے	کے چھوٹے بیٹے
۱۱	۱۸	اینڈ ویلفیر	اینڈ فیملی ویلفیر
۴۷	۱۳	ایک تصانیف	ان کی تصانیف
۱۶۳	۲	دہ روان عشق	رہروان عشق
۲۹۶	۶	ہماری	ہمارے
۵۲۱	۱۹،۱۸	آپ کی ان کی مدد	آپ نے ان کی مدد
۵۳۰	۱۹	صدرویہ	صدر رویہ

بہر حال ان چند تسامحات کے باوجود کتاب اپنے موضوع سے کافی حد تک انصاف کرتی نظر آتی ہے۔ کاغذ معیاری، کتابت روشن، طباعت عمدہ، کتاب مجلد مع خوبصورت ڈسٹ کور۔ مجموعی محاسن کے پیش نظر تین سو پچاس روپے قیمت مناسب ہے۔ امید کہ کتاب تذکرہ اطبائے اودہ ملک کی اہم جامعات اور طبی اداروں کے کتب خانوں کی زینت بنے گی اور تاریخ طب بالخصوص اطبائے اودہ کے موضوع پر مفید مواد کے متلاشی طلبہ، اساتذہ اور دانشوروں کے حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، جولائی ـ ستمبر، ۲۰۰۸ء)

●●●

حکیم سید ظل الرحمٰن-حیات وخدمات

مرتبین : ڈاکٹر سید حسن عباس، ڈاکٹر عبداللطیف
ضخامت : 616 صفحات
اشاعت : 2005ء
قیمت : 300 روپے
ناشر : مرکز تحقیقات اردو وفارسی، گوپال پور، باقر گنج،
سیوان (بہار)

اردو زبان میں با حیات شخصیات کو موضوع گفتگو بنا کر ادبی وعلمی رسائل کی خصوصی اشاعتوں کی روایت تقریباً پون صدی پرانی ہے، جب کہ نیرنگ خیال لاہور نے اقبال نمبر شائع کر کے اس کی بنا ڈالی تھی، پھر افکار کراچی نے 1965ء میں فیض نمبر اور دیگر شخصیات پر خصوصی نمبر شائع کیے، اس کے بعد فن وشخصیت بمبئی کی متعدد اشاعتیں اہم شخصیات پر ضخیم خاص نمبر کی شکل میں منظر عام پر آئیں اور 1988ء میں فکر وآگہی نے 400 صفحات پر مشتمل بشیر بدر نمبر نکالنے کے بعد دو سال کے وقفہ سے 738 صفحات پر مشتمل رفعت سروش نمبر شائع کیا۔

ہفت روزہ ندائے ملت، لکھنؤ نے 29 نمبر 1998ء کی اشاعت کو حکیم عبدالحمید نمبر 1998ء کے طور پر شائع کیا تھا۔

اسی طرح بہت سے ایسے خوش نصیب ارباب قلم کی بھی خاصی تعداد ہے، جن کی زندگی میں ان کی شخصیت اور فن پر پی، ایچ، ڈی کے مقالات لکھے گئے اور ان میں سے بعض مناسب حذف واضافہ کے بعد کتابی شکل میں شائع بھی ہوئے۔ پروفیسر حکیم سید ظل الرحمٰن اس لحاظ سے خوش نصیب ہیں کہ ان کی

حیات میں ہی موصوف کی حیات و خدمات پر 616 صفحات پر مشتمل با قاعدہ کتاب منصۂ شہود پر آگئی۔ اس سے تاریخ طب میں گرانقدر اضافہ بھی ہوا ہے اور فکر و آگہی کی راہ بھی ہموار ہوئی۔

خاکہ نگاری میں تو ایک ہی مصنف مختلف شخصیات کی منفرد اور نمایاں خصوصیات پر گل افشانی گفتار کچھ اس انداز میں کرتا چلا جاتا ہے کہ صاحب خاکہ کی جیتی جاگتی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے اور صاحب خاکہ کے ظاہری و باطنی اوصاف اظہر من الشمس ہو جاتے ہیں، تاہم اس میں تنوع نہیں ہوتا، اس کے برعکس زیر تبصرہ کتاب میں مختلف ارباب قلم کے رشحات قلم اور فکر و تحقیق کی تحریریں فرد واحد پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس فکر و تحقیق (Speculation) اور چھان بین (Exploration) کے نتیجے میں اہم دانشوران علم و فن کے نقطۂ نظر سے پروفیسر حکیم سید ظل الرحمن کی شخصیت اور خدمات کے اتنے اہم گوشے منظر عام پر آگئے ہیں، جن پر محض ایک دانشور خامہ فرسائی کرتا تو شاید اتنا تنوع نہ ہوتا اور نہ ان کی شخصیت اور کارناموں کی اتنی پرتیں کھلتیں۔

حکیم سید ظل الرحمن ہمارے عہد کی ان چند ممتاز طبی، علمی و ادبی شخصیتوں میں سے ہیں جن کی تحریریں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ علمی و فنی فتوحات کے ایک غیر مختتم سلسلہ کے علاوہ علی گڑھ میں ابن سینا اکیڈمی کا قیام ان کے ذوق جمال و حسن کمال کا آئینہ دار ہے۔ نجیب الطرفین ہونے کے علاوہ تجارہ کے حکیم سید کرم حسین جیسے سربرآوردہ صاحب قلم طبیب کا نبیرہ ہونے کا شرف بھی انہیں حاصل ہے۔ علمی خانوادہ پھر ندوۃ العلما لکھنؤ اور علی گڑھ کی علمی، تہذیبی اور ادبی فضاؤں نے ان کے ذہن و دماغ اور لوح و قلم پر جو خوشگوار اثرات مرتب کئے ہیں، ان کی جھلک ان کی تحریروں میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ ان کا راہوار قلم کسی تعطل کا شکار ہوئے بغیر جاوداں، پیہم رواں، ہر دم جواں رہتا ہے۔ نصف صدی تک پرورش لوح و قلم کے نتیجے میں انہوں نے جہاں ایک طرف طبی ادب میں گرانقدر اضافے کئے ہیں، وہیں علی گڑھ میں ابن سینا اکیڈمی کے قیام سے نہ صرف 500 سے زائد مخطوطات دستبرد زمانہ سے محفوظ ہو گئے، بلکہ ہماری تہذیب و تمدن کی کتنی قابل قدر یادگاریں بھی قصر حفاظت میں آگئیں۔ ان کے خیال میں ہماری گرانمایہ تہذیب و تمدن کی یہ

درمیانی کڑیاں اگر گم ہوگئیں اور آج کافی حد تک کتاب طاقِ نسیاں ہوبھی گئی ہیں تو آنے والی نسلوں کو ہم کیسے سمجھائیں گے کہ تمہارے اسلاف تہذیب و تمدن کے کس مرتبے پر فائز تھے۔ دنیا کی دیگر قومیں اپنی تہذیب و تمدن کی امین ہوتی ہیں، لیکن ہمارے یہاں تہذیب گرراں کے تحفظ کا کسی کو ہوش نہیں۔

حکیم سید ظل الرحمٰن نے بڑے کرب کے ساتھ اس خلا کو محسوس کیا اور شبانہ روز کی تگ و دو کے نتیجے میں اچھا خاصا ذخیرہ بھی میوزیم میں جمع کر دیا ہے، جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اور سلسلۂ جنبانی اب بھی جاری ہے۔ امید کہ ارباب دل اپنے ان نوادرات کو اس میوزیم کی زینت بنانے میں حکیم سید ظل الرحمٰن کے ساتھ تعاون فرمائیں گے، جن کی حفاظت ان کے اختیار میں نہیں۔ قدیم سکوں، نادر ڈاک ٹکٹ، اطبائے قدیم کے پورٹریٹ اور تصاویر اس پر مستزاد۔ مخطوطات اور نوادرات کے علاوہ 15,000 سے زائد مطبوعات اور دس ہزار سے زائد رسائل و جرائد کی فراہمی اور خوبصورت انداز میں ترتیب و پیشکش تشنگانِ علم و فن کو دعوتِ مطالعہ دیتے ہیں۔ گوناگوں خوبیوں کے حامل اس ہمہ جہت شخص نے حیاتِ مستعار میں جو کچھ کیا تھا، ساری علمی و مادی دولت ملک و قوم اور بالخصوص طبی دنیا کے لئے وقف کر دیا ہے، جس کا اعتراف کھلے دل سے ہونا چاہئے، کیونکہ یہ اداروں اور انجمنوں کے کام تھے، جنہیں فردِ واحد نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

پروفیسر حکیم سید ظل الرحمٰن کو متعدد قومی اور بین الاقوامی اعزازات حاصل ہو چکے ہیں جن میں فارسی زبان کے فاضل کو عطا کیا جانے والا اعلیٰ ترین اعزاز پریسیڈنٹ ایوارڈ بھی شامل ہے، جو 1995ء میں تفویض کیا گیا، علاوہ بریں پدم شری خطاب بھی 2006ء میں عطا کیا گیا۔ بڑی ناسپاس گزاری ہوتی اگر ادبی سطح پر بھی ان کی خدمات کا اعتراف نہ کیا گیا ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ مرتبین نے زیرِ تبصرہ کتاب پیش کر کے وقت کا اہم تقاضا پورا کیا ہے، تاہم اسے حرفِ آخر نہیں قرار دینا چاہئے، کیونکہ پروفیسر ظل الرحمٰن کے قلم کی سیاہی ابھی خشک نہیں ہوئی ہے اور نہ ان کے ذہن و دماغ میں کسی طرح کا تعطل پیدا ہوا ہے۔

حکیم سید ظل الرحمٰن۔ حیات و خدمات درج ذیل 11 ابواب پر مشتمل ہے:

(1) پس منظر، (2) عہدِ طفولیت، (3) داستانِ عہدِ گل، (4) آئینۂ ماہ و سال، (5) تصنیفات،

(6) مخصوص مطالعہ، (7) شخصیت وفن، (8) انٹرویوز، (9) ابن سینا اکاڈمی، (10) سفر وسیاحت،
(11) منظوم خراج عقیدت۔

مقالات کی مجموعی تعداد 74 (مع منظوم تاریخ خاندان) ہے، جن میں ان کی خاندان، تربیت، تعلیم وتعلم، شخصیت کے مختلف پہلو، طبی وادبی تصانیف، مع تدوین وتراجم مخطوطات، مختلف اہم موضوعات پر لکھے گئے مقالات، ان کے دیگر کارناموں بشمول ابن سینا اکاڈمی پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں منظوم خراج تحسین پیش کیا گیا ہے جو دراصل نتائج ہیں 20 شعرائے کرام کے افکار عالیہ کے۔ ان مقالات ومنظومات کے آئینے میں محقق و مورخ کی حیثیت سے حکیم سید ظل الرحمٰن کا مقام متعین ہوتا ہے۔ بلاشبہ ان کی تحریریں طبی تحقیقات بالخصوص تاریخ طب کے میدان میں مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان مضامین کی روشنی میں ان کے ذوق مخطوطات، تدوین وتہذیب، ترجمہ ومقدمہ نیز حواشی نویسی کے کئی پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ماہر سینیات کی حیثیت متعین ہوتی ہے۔ ان کی معارف پروری، اصاغر پروری ہمارے علم میں آتی ہے نیز یہ کہ نئے لکھنے والوں اور مبتدی ارباب قلم کی صلاحیتوں کا کس سیر چشمی سے وہ اعتراف کرتے ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جس سے ان کے اس جذبہ دروں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوتا کہ طبی دنیا میں بھی زیادہ سے زیادہ بلند پایہ محققین نیز ارباب قلم پیدا ہوں۔ اسی لئے بسا اوقات علمی وفنی خطبات کے دوران سہل انگاری کا ثبوت دینے والے اطبا کو ہدف ملامت بنانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اس زجر وتوبیخ کے در پردہ ان کے جذبۂ اخلاص کو بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے، اس لئے کوئی برا بھی نہیں مانتا۔ اس کتاب کے آئینہ میں حکیم ظل الرحمٰن ہمارے تہذیبی ورثہ اور شاندار ماضی کے محافظ اور امین بھی نظر آتے ہیں۔ علم الادویہ کے صدر کی حیثیت سے ان کے زیر سرپرستی جو مقالات لکھے گئے، ان پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، علاوہ بریں علم الادویہ پر ان کے رشحات قلم کو بھی نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس طرح یہ الزام بھی کافی حد تک کمزور ہوجاتا ہے کہ علم الادویہ کے پروفیسر ہونے کے باوصف تاریخ طب کو کیوں اپنی جولانگاہ بنایا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بحیثیت محقق و مورخ بھی طب یونانی اور اردو زبان کو انہوں نے بہت کچھ دیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ حکیم سید ظل الرحمٰن نے زندگی کی قیمت کو اچھی طرح سمجھا ہے۔ وقت کو ہمیشہ اہمیت دی ہے۔ وقت کو رائگاں کرنا ان کے نزدیک سب سے قبیح فعل ہے۔ انہوں نے اپنے تفریحی مشاغل اور سیر وسیاحت کو بھی علمی وفنی معراج عطا کی ہے، یہی وجہ ہے کہ جس علمی سفر پر گئے، ایک ایک لمحہ کو ضبط تحریر میں لاتے ہوئے سفرنامے ترتیب دے دیا، دلچسپ اور معلومات آفریں سفرنامے، زبان و بیان کی سحر آفرینی کے ساتھ۔ بلاشبہ خوش طالعی، خاندانی پس منظر، درسگاہوں کی علمی وتہذیبی فضاؤں نے ان کی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے، تاہم ان کی ژرف نگاہی، دلکش اسلوب نگارش، تحریر کی گہرائی اور گیرائی، یہ سارے محاسن محض معجزاتی طور پر اچانک ظہور پذیر نہیں ہوگئے، بلکہ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اس میں ان کے وسعت مطالعہ اور پیہم مطالعہ کے ساتھ ساتھ برسہا برس کی مشق ومزاولت کا بھی بھرپور دخل نظر آئے گا۔ انہوں نے اپنے قلم اعجاز رقم کو کبھی زنگ آلود نہیں ہونے دیا بلکہ اسے کبھی دم بھی نہیں لینے دیا۔ سفر اور مسلسل سفر ہمیشہ ان کا مطمح نظر رہا ہے۔ منزلوں پر منزلیں طے کرنا ان کا شعار رہا ہے۔ وہ موجودہ روز وشب میں الجھنے اور کھونے کے بجائے ہمیشہ جہان دیگر کی تلاش وجستجو میں سرگرداں نظر آتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایک سے ایک معرکۃ الآرا تصانیف علم الادویہ، تاریخ وتحقیق طب اور طبی سفرناموں کی شکل میں منصۂ شہود پر آتی رہیں۔ اگر ان کے نصف صدی پر محیط علمی فتوحات کو ان کے جہد مسلسل اور فکر مسلسل کا ثمرہ قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا، بقول فراق گورکھپوری۔

تعمیر و تشکیل میں جو بھی فراق کا حصہ ہے

نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

"حکیم سید ظل الرحمٰن۔ حیات وخدمات" میں ان کے معاصرین کے علاوہ سینئر معاصرین بلکہ اساتذہ تک کے رشحات قلم شامل ہیں، جن میں ادیب، طبیب، دانشور، ایڈمنسٹریٹر، قانونی مشیر اور لائبریرین وغیرہ نے بھرپور قلمی تعاون دیا ہے۔ اس کتاب میں برصغیر کی ممتاز شخصیتوں نے موصوف کے عہد طفولیت، علی گڑھ کے طالب علمی وتدریسی ادوار، ملک کے اطراف واکناف میں

مختلف طبیہ کالجوں کے قیام اور طب یونانی کے ارتقاء اور ترویج و اشاعت کے لئے ان کے عملی اقدامات، ریسرچ اسکالروں کی رہنمائی، معاصرین اور سینیر معاصرین سے روابط نیز علمی و ثقافتی سفرناموں پر اپنے مخصوص انداز میں جس طرح اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے، ان کے مطالعہ سے حکیم سید ظل الرحمٰن کی حیات و خدمات کے متعدد گوشے منور ہوتے ہیں۔ کتاب میں توقیت کی کمی محسوس ہورہی ہے۔ اگر اسے بھی شامل کرلیا گیا ہوتا تو زندگی بھر کے کارنامے، یافت و دریافت بیک نظر سامنے آجاتے۔

کاغذ معیاری، کمپوزنگ پاکیزہ اور سہو کتابت سے کافی حد تک محفوظ، کتاب مجلد مع سادہ و پرکارڈسٹ کور۔ اس حسین اور معیاری پیشکش پر مرتبین ہمارے شکریہ کے بھی مستحق ہیں اور مبارکباد کے بھی۔ امید کہ حکیم سید ظل الرحمٰن کی شخصیت اور کارناموں پر انتہائی سلیقہ سے ترتیب دی گئی یہ کتاب ارباب نظر سے خراج تحسین حاصل کرے گی، ظل الرحمٰن شناسی میں اہم رول ادا کرے گی نیز کالجوں اور جامعات کی لائبریریوں کی زینت بنے گی۔

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، الہ آباد، جنوری-مارچ ۲۰۰۹ء)

●●●

رموز اعظم [فارسی] در دو جلد

مولف : حکیم محمد اعظم خاں

اشاعت : ۲۰۰۶ء

ضخامت : ۶۲۲،۴۱۰ صفحات (بالترتیب)

قیمت : درج نہیں

ناشر : سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن،

۶۵-۶۱، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری، نئی دہلی-۱۱۰۰۵۸

تاریخی میدان اور علمی مطب میں حکیم محمد اعظم خاں کا نام ہندوستانی اطباء میں سرفہرست ہے۔ علم طب کی کسی بھی شاخ میں ہندوستان کے کسی بھی فارسی مصنف حکیم کا کارنامہ ان سے فزوں تر نہیں اور یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ حکیم محمد اعظم خاں متعدد زاویوں سے متقدمین سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ حکیم محمد اعظم خاں نے روایت سے زیادہ درایت کو رہنما اصول اور خطوط کار کے طور پر اپنا کر انقلابی قدم اٹھایا۔ انہوں نے متقدمین کی تحقیقات اور تصنیفات کا گہرا مطالعہ کر کے اختصاص کی روایت کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ عصری انداز میں ایک نئے اسلوب کی طرح ڈالی۔ چنانچہ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل اکسیر اعظم معالجاتی نقطہ نظر سے ایسی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے جو قدیم کتابوں کا عطر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معالجات کے ہر پہلو پر محیط یہ کتاب بہت جلد علمی و عملی میدان میں اطباء کی توجہ کا مرکز بن گئی۔

اسی طرح مفردات ادویہ پر ان کی ضخیم تالیف محیط اعظم جو چار جلدوں پر مشتمل ہے اور اپنے نام کی طرح اس موضوع پر اس طرح محیط ہے کہ جویائے علم کے لیے آج بھی حل المشکلات کے لیے اس سے رجوع کرنے پر مجبور نظر

آتے ہیں۔

بعض مرکبات ادویہ پر قلم اٹھایا تو قرابادین اعظم جیسی عظیم قرابادین منظر عام پر آئی جو آج بھی ریسرچ اور عملی مطب میں بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

نبض پر نیر اعظم اور بحران کے موضوع پر رکن اعظم کی بھی بجا پذیرائی ہوئی۔

زیر تبصرہ کتاب یعنی رموز اعظم اپنی ضخامت کے باوجود اکسیر اعظم کے مقابلے میں ہینڈ بک کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہیں اس کا شدت سے احساس تھا کہ اکسیر اعظم کا مطالعہ مطب میں مصروف اطباء کے لئے ایک مشکل امر ہے۔ رموز اعظم اسی مشکل کو حل کرنے کی جانب ایک عملی قدم تھا۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ حکیم اعظم خاں کی دیگر تصانیف میں ضابطہ اخلاقیات جیسا اہم موضوع ہنوز زیر بحث نہیں آیا تھا، اس کتاب کے مقدمہ میں وصایائے اطبا لکھ کر یہ کمی بھی پوری کردی۔ اعظم خاں کا یہ شاہکار ذاتی مشاہدات اور تجربات کے ساتھ ساتھ کم وبیش ۵۰ کتابوں کا حاصل مطالعہ بھی ہے، جن کی فہرست مقدمہ میں موجود ہے۔

رموز اعظم دراصل تاریخی نام ہے۔ اس کے محاسن پر روشنی ڈالتے ہوئے اعظم خاں خود رقم طراز ہیں:

"نام تاریخی ایں نسخہ باسم رموز اعظم ساختم وچونکہ ایں کتاب فرحت انتساب مشتمل است بریک مقدمہ وبست وچہار مقالہ وخاتمہ۔ ترتیبش بدیں فریق مقرر نمودہ شد کہ امراض ہر عضو از سرتا قدم در ہریک مقالہ بیان یافت، ودر آغاز ہر مقالہ فوائد کلیہ کہ شامل جمیع امراض آں عضو باشد ترقیم پذیرفت"۔

(میں نے اس نسخہ کا تاریخی نام "رموز اعظم" مقرر کیا۔ چونکہ یہ کتاب فرحت انتساب ایک مقدمہ، ۲۴ مقالات اور خاتمہ پر مشتمل ہے لہذا اسے اس انداز میں ترتیب دیا کہ سر سے پیر تک کے ہر عضو کے جملہ امراض پر مجموعی روشنی ڈالنے کے بعد ہر ایک مقالہ میں اس عضو کے جملہ امراض پر مجموعی روشنی ڈالی گئی ہے)

رموز اعظم کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ بیشتر امراض کے اختتام پر مریضوں کے کوائف (Case-History) حکایات کے ذیلی عنوان کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔ جو مرہون منت ہیں ان مریضوں کے جو حکیم علوی خاں، حکیم شریف خاں اور دیگر سربرآوردہ اطباء کے مطب میں رجوع ہوئے تھے۔ جس کا اظہار خود حکیم محمد اعظم خاں نے بھی کیا ہے۔ عملی مطب میں ان کوائف اور نسخوں سے بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

جلد اول میں پُر مغز مقدمہ کے علاوہ اول ۱۲ مقالات میں امراض دماغ سے لے کر امراض معدہ تک کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جب کہ دوسری جلد میں باقی ۱۲ مقالات یعنی ۱۳ تا ۲۴ میں امراض کبد، مرارہ و طحال سے لے کر تدبیر سموم، طرد حشرات و قتل حیوانات کا بیان ہے۔ علاوہ بریں اس جلد کے آخر میں خاتمہ کے زیر عنوان جدول اسماء ادویہ مرکبہ، ذوات اسماء مندرجہ کتاب رموز اعظم طلبہ، اساتذہ اور عام عاملین فن کی رہنمائی کے نقطۂ نظر سے انتہائی مفید ہے جو ص ۳۹۹ تا ۴۶۲ پر محیط ہے۔

اس کتاب کو پہلی بار مطبع فاروقی دہلی نے ۱۸۹۳ء میں اور دوسری بار ۱۹۰۲ء میں دو حصوں میں جہازی سائز پر شائع کیا تھا۔ ہر حصہ کا سائز ۳۰×۲۴ سم اور ہر صفحہ پر ۳۳ سطریں ہیں۔ کونسل کا زیر تبصرہ ایڈیشن دراصل طبع ثانی ہی کا عکس جمیل ہے۔ جو نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت کے تحت منظر عام پر آیا ہے۔

یہ کتاب ہنوز فارسی زبان میں ہے جس کے سبب اکسیر اعظم کی طرح اردو داں اطباء اس کی افادیت سے بھی محروم رہیں گے، لہٰذا جس طرح اکسیر اعظم کے ترجمہ اور اس کی اشاعت کی طرف کونسل نے توجہ دی ہے، بعینہٖ زیر تبصرہ کتاب کی اشاعت بھی وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اس طرح اردو داں اطباء براہ راست استفادہ کر سکیں گے۔

کتاب کا کاغذ اور طباعت معیاری، ہارڈ باؤنڈ اور جاذب نظر ڈسٹ کور کے ساتھ۔ امید کہ کونسل کی پیش کش بہ نظر استحسان دیکھی جائے گی۔

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، الہ آباد، جولائی - دسمبر، ۲۰۰۹ء)

●●●

تنقیح المفردات

مولف : ڈاکٹر محمد عمران عثمانی
ضخامت : 320 صفحات
اشاعت : 2008ء
قیمت : 275 روپے
ناشر : ڈاکٹر محمد عمران عثمانی، ابن سینا طبیہ کالج، بینا پارہ، اعظم گڑھ-276305
رابطہ : 09936839424

حضرت آدمؑ سے لے کر پیغمبر آخر الزماں سرکار دو عالم ﷺ تک طب کو پیغمبروں سے منسوب کیا گیا۔ اس لیے ایک بڑے طبقے نے اسے الہامی فن قرار دیا ہے، بالخصوص جڑی بوٹیاں تو اپنی افادیت پیغمبروں پر برملا ظاہر کر دیا کرتی تھیں۔ علاج بالمفردات کو مکمل حسن بخشا حضور پاک ﷺ نے، چنانچہ فرمودات رسالت مآبؐ ہی کی روشنی میں طب نبوی کے موضوع پر بہت سی کتابیں تالیف کی گئیں۔ ان میں سے الطب النبوی لابن القیم مستند ترین تسلیم کی گئی، جس کا تمام تر انحصار مفرد ادویہ پر ہے۔ طب یونانی میں بھی علاج بالمفردات یا کم از کم اجزا پر مشتمل نسخوں کو ترتیب دے کر علاج کرنا ہمیشہ کمال طبابت سمجھا جاتا رہا ہے۔ علاوہ بریں مفرد ادویہ کا جتنا صحیح علم اور عرفان ہوگا، مرکبات اور نسخوں کی ترکیب و ترتیب میں ان سے اسی قدر استفادہ ممکن ہے۔ ادویہ مفردہ سے اطبا کی شیفتگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ 'کتاب الحشائش' پہلی صدی عیسوی میں ہی منصۂ شہود پر آ گئی تھی جو

بیشتر دیسقوریدوس کے ذاتی تجربات وتحقیقات کا ثمرہ ہے۔ اس وقت تک معالجات ومرکبات وغیرہ کے موضوع پر کوئی منظم اور مرتب کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ یونانی اطباء کے علاوہ بہت سے عرب اطبا نے بھی مفرد ادویہ ہی کو اپنی تحقیق کا محور بنایا اور گرانقدر اضافات کیے، معالجات پر گہر افشاں صاحب تصنیف اطبا نے بھی انہیں تصانیف میں بڑی خوبی سے ضم کیا۔ ادویہ مفردہ کے تقدس، تفوق، قدامت اور اطبائے قدیم کی اس سے مسلسل وابستگی، یہ تھے وہ محرکات جس کے نتیجے میں زیر تبصرہ کتاب معرض وجود میں آئی۔

تنقیح المفردات، جس کے نام سے ہی ندرت ہویدا ہے، اپنے موضوع پر لکھی جانے والی اولیں اور اچھی کوشش ہے۔ اس کے مولف ڈاکٹر محمد عمران عثمانی نہ صرف دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ایک باذوق صاحب قلم نوجوان ہیں بلکہ علم الادویہ میں پوسٹ گریجویشن کے بعد سے درس و تدریس کے میدان میں بھی علم الادویہ ہی کا قرعۂ فال ان کے حصے میں آیا، جس کے نتیجے میں ان کی تحریر میں مزید جلاوت پیدا ہوگئی۔ انہوں نے اس موضوع پر عربی، فارسی، اردو اور انگریزی میں دستیاب مستند کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے قلم اٹھایا۔ بلاشبہ انہوں نے ان کتابوں کو تحقیقی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا اور تنقیدی بھی۔ غور وتفحص، وسعت مطالعہ اور ذاتی مشاہدہ کے نتیجے میں جو لعل وگہر ہاتھ آئے، انہیں حسن ترتیب کے ساتھ پیش کردینا بجائے خود اہم کام ہے۔ یہ تحقیقات مزاج ادویہ کے تعلق سے بھی اہم ہیں اور ان کی ساخت و شناخت کے لحاظ سے بھی، ماہیت کے اعتبار سے بھی اور افعال وخواص کے نقطۂ نظر سے بھی۔

طبیہ کالجوں کے طلبہ کی ضرورت کے پیش نظر سی، آئی، ایم کے مجوزہ نصاب پر مبنی اس کتاب میں تینوں مآخذ (Origins) یعنی نباتی، حیوانی اور جمادی ادویہ کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے، تاکہ اس کے مطالعہ وتفہیم میں کوئی دقت نہ پیش آئے یا طالب علم کا ذہن ابہام کا شکار نہ ہو اور اسے بلاتکلف معلوم ہوجائے کہ یہ کس گروپ کی دوا ہے۔ ہر دوا کے معروف نام کے ساتھ مترادفات اردو، فارسی، عربی، ہندی اور انگریزی میں بھی لکھے گئے ہیں، ساتھ ساتھ سائنٹی فک اسماء الادویہ کا بھی التزام کیا گیا ہے جو نزاع ومناقشہ (Controversy) سے بچنے کا کامیاب ذریعہ ہے۔ علاوہ بریں دوا کی

ماہیت، مزاج، افعال، مواقع وترکیب استعمال، مقدار خوراک، کیمیاوی تجزیہ، مضرت، مصلح، بدل اور مشہور مرکب جیسی اہم ذیلی سرخیوں کے ذیل میں معلومات آفریں اور مفید مواد، سلیس زبان اور سائنٹی فک انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اوزان عصری پیمانے پر مرتب کیے گئے ہیں، تبدیلیٔ اوزان (Conversion) میں حزم واحتیاط مکمل طور سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔ دوا کی جائے پیدائش پر اجمالی روشنی ڈالتے ہوئے، سازگار موسم اور زمانہ حصول کو بھی ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ طلبہ کے ذہن کے پیش نظر طوالت کے بجائے ایجاز واختصار کی روش اپنائی گئی اور 'خذ ما صفا ودع ما کدر' کے بمصداق اس موضوع کے مباحث کو حشو وزوائد سے پاک کر کے تحقیقی مواد نہایت منقح انداز میں پیش کیا ہے۔

کتاب انڈر گریجویٹ طلبہ کے لیے نصابی نقطۂ نظر سے اگرچہ مکمل اور جامع ہے، لیکن بعض گوشے تشنہ ہیں مثلاً:

ص 16، س 3 نوک و پلک درست کرتے ہوئے (حرف عطف کے ساتھ) محاورہ کے خلاف ہے، نوک وپلک اضافت کے ساتھ لکھنا چاہیے بمعنی ہر طرح سے عمدہ اور موزوں۔

ص 285، س 2 Salt کو Sal لکھا ہے (سہو کتابت)۔ ص 273، س 9 شنجرف بجائے شنجر ف کمپوز ہوا......... (سہو کتابت)۔

ص 275، س 9 (دریانِ طوطیا) سمیت پائی جاتی ہے کے بجائے سم قاتل لکھنا چاہیے، یا جو کیفیت پیدا ہوتی ہے مثلاً قے مروڑ کے ساتھ۔

ص 263 بورہ ارمنی کا نہ انگریزی نام درج کیا گیا ہے اور نہ کیمیاوی، کیا تحقیق وتنقیح کا یہ تقاضا نہ تھا کہ اس کے لیے دیگر مآخذ (Sources) تک رسائی حاصل کی جائے یا اس میدان کے ماہرین سے مشورہ کیا جائے۔ اس کا انگریزی نام Armenian bole, Bole Armeniac, Red sol ہے اور کیمیاوی نام Aluminium silicate, silicate of Magnesia and iron oxide ہے۔ (ملاحظہ ہو نیشنل فارمولری، حصہ سوم، ص ۱۱۷)۔

کیمیاوی تجزیہ صرف انگریزی میں پیش کیا گیا ہے۔ جب کہ اسے اردو میں لکھ کر بین القوسین انگریزی میں لکھنا چاہیے تھا، حد تو یہ ہے کہ پورا پورا جملہ انگریزی کی نذر ہو گیا ہے، مثلاً

(ص ۱۲۶)معتر کے بیان میں۔

کیمیاوی تجزیہ: Volatile oil ہے Premature- Labour pains کو Subside کرتا ہے۔

حالانکہ اسے یوں بھی لکھا جا سکتا تھا:

یہ روغن فراری (Volatile oil) نارسیدہ (قبل از وقت) دردزہ کو رفع کرتا ہے۔

منڈی کے ذیل میں ص ۲۳۲ پر رقم طراز ہیں:

Rind of fruit is used as fish poison

جب کہ اسے اردو میں بھی لکھا جا سکتا تھا:

پوست ثمر مچھلی کے زہر کے طور پر مستعمل ہے۔

ص ۲۲۵ پر مالکنگنی کے ذیل میں:

"Stimulant action of Celestine is especially menifests in the brains and is not followed by a secondary depression"

جبکہ اردو میں اس کا مفہوم اس طرح بآسانی ادا کیا جا سکتا تھا:

سیلسٹرین (Celestrine) کا محرک اثر بالخصوص دماغ میں ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے بعد ثانوی (ذہنی) دباؤ (Depression) نہیں پیدا ہوتا ہے۔

انگریزی ہی میں لکھنا ہے تو پوری کتاب لکھنے کا متبادل کھلا ہوا ہے، کون قدغن لگا سکتا ہے۔

ذیلی سرخی مشہور مرکب کے بجائے مشہور مرکبات لکھنی چاہئے تھی۔ کیونکہ بیشتر مقامات پر ایک سے زائد مرکبات درج ہیں، البتہ جہاں ایک ہی مرکب کا تذکرہ ہو، وہاں واحد ہی لکھنا چاہئے۔

پہلا ضمیمہ (ص ۲۸۹ تا ص ۳۱۰) امراض، اشکال ادویہ اور مشکل الفاظ کی مختصر تشریح پر مشتمل ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ اسے شامل کر کے کتاب کو بلا وجہ بوجھل بنایا گیا ہے، لہٰذا آئندہ ایڈیشن میں صرف تدبیر و ترکیب ادویہ کی اصطلاحات و تشریحات اخذ کرلی جائیں اور باقی

اصطلاحات جو معالجات سے متعلق ہیں، حذف کر دی جائیں۔ تاہم آخری ضمیمہ نہایت مفید اور معلومات افزاء ہے۔

مصادر و مراجع کے زیر عنوان ۴۹ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کتابوں کی فہرست بالکل Casual انداز میں درج کی گئی ہے۔ تسلیم کہ یہ مشہور و معروف کتابوں کے نام ہیں تاہم اس طرز نگارش سے جہاں مصنف کی سہل انگاری کا پتہ چلتا ہے، وہیں تحقیق کی روح بھی مجروح ہوتی ہے اور اردو زبان پر بے مائیگی کا لیبل بلا وجہ لگتا ہے اس کا منفی اثر نئے لکھنے والوں پر پڑتا ہے، کیونکہ یہ روش ان کے لیے نمونہ بن جاتی ہے۔

اس جگہ اس تمنا کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ انگریزی کی طرح اردو زبان میں بھی شرح و بسط کے ساتھ مصور کتابیں منصۂ شہود پر آئیں جو عالمی سطح اور معیار پر پوری اتر سکیں، جس کی قابل تقلید مثال ادارہ الحکیم لاہور نے ۲۰ ویں صدی کے وسط میں رہنمائے عقاقیر شائع کر کے پیش کی تھی، جس میں ہر جڑی بوٹی کی رنگین عکسی تصاویر پیش کی گئی تھیں، اب تو طباعت پہلے سے کہیں زیادہ آسان اور ترقی یافتہ ہوگئی ہے۔ حکیم عثمانی جیسے ہونہار صاحب قلم طبیب سے اس امر کی توقع بیجا نہ ہوگی کہ اس موضوع پر اسی نہج پر عصری تحقیقات کی روشنی میں ایک مفصل اور جامع کتاب (Comprehensive book) لکھیں اور رنگین تصاویر کے ساتھ شائع کریں جو نہ صرف انڈر گریجویٹ بلکہ پوسٹ گریجویٹ طلبہ کے لیے بھی ارمغان ثابت ہوگی، ساتھ ساتھ عام اطبا کی دلچسپی کا محور بھی بنے گی۔ یقین ہے کہ موصوف یہ کام باحسن الوجوہ انجام دے لیں گے۔

زیر تبصرہ کتاب کی زبان کی زبان علمی اور عصری تحقیق کے معیار سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اس کا مقدمہ پروفیسر حکیم ارشاد احمد پرنسپل و صدر شعبۂ علم الادویہ، ابن سینا طبیہ کالج کے قلم کا مرہون منت ہے اور اس کا ہمہ جہتی انتساب والدین، مادر علمی دارالعلوم دیوبند، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ابن سینا طبیہ کالج اور مخلص بھائیوں کے نام کیا گیا ہے۔ جس سے ان کی وسعت قلبی اور سعادتمندی کی غمازی ہوتی ہے۔

مجموعی حیثیت سے تنقیح المفردات اپنے موضوع سے بھرپور انصاف کرتی ہے اور اس پر

کتاب جمیل ولباس حریر کا اطلاق ہوتا ہے۔ سہو کتابت سے اس حد تک معریٰ اردو طبی کتاب بہت دنوں بعد نظر سے گزری ہے۔ عمدہ کاغذ، روشن کتابت، نفیس طباعت، خوبصورت جلد ''کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست''۔ امید کہ اردو داں طبی حلقوں میں اس کی بھرپور پذیرائی ہوگی اور مولف اپنی تحقیقی وتحریری سرگرمیوں کو بدستور جاری رکھیں گے۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الٰہ آباد، اکتوبر۔دسمبر، ۲۰۰۹)

●●●

المعالجات البقراطیہ (اردو ترجمہ)

(حصہ دوم وسوم)

مولف : ابوالحسن احمد بن محمد الطبری

ضخامت : حصہ دوم: ۵۱۱ صفحات

حصہ سوم: ۴۲۹ صفحات

قیمت : حصہ دوم: ۲۷۰ روپے

حصہ سوم: درج نہیں

سن اشاعت: ۱۹۹۷ء

ناشر : سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن،

۶۵-۶۱، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری، نئی دہلی-۱۱۰۰۵۸

معالجات بقراطیہ کو نہ صرف مشہور زمانہ مورخ ابن ابی اصیبعہ نے نہایت جلیل القدر اور مفید طبی تصنیف قرار دیا تھا، بلکہ خود مصنف نے بھی اسے علم کامل اور عمل کامل کا مجموعہ بنانے کے عزم کا اظہار کیا تھا۔

معالجات بقراطیہ دراصل بقراط کے اصول ونظریات کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ایک ایسی نادر ونایاب کتاب تھی، تشنگان علم جس کے صرف اقتباسات اکسیر اعظم وغیرہ میں دیکھنے کو پاتے تھے۔ براہ راست اصل کتاب یا ترجمہ تک رسائی طلبہ تو طلبہ، محققین تک کی نہ تھی۔ سی، سی، آر، یو، ایم نے اس کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر لٹریری ریسرچ پروگرام کے تحت اردو ترجمہ کراکے تین حصوں میں شائع کیا۔ چنانچہ حصہ اول پر تبصرہ نوائے طب وصحت، الہ آباد، جولائی-ستمبر ۱۹۹۰ء کے شمارہ میں ہی شائع ہوگیا تھا۔ باقی حصوں پر تبصرہ بوجوہ معرض التوا میں پڑا رہا، جسے اب شائع

کیا جارہا ہے۔

گیارہویں صدی عیسوی کے معروف طبیب ابوالحسن احمد بن محمد الطبری نے بیس مقالات کا تذکرہ کیا ہے، جب کہ صرف اول دس مقالات ہی مخطوطہ کی شکل میں دستیاب ہو سکے۔ ہمیں معلوم ہے کہ روایت کے مطابق معالجات کی کتاب سرتاپا امراض پر محیط ہوتی ہے۔ امراض مرداں، امراض نسواں، امراض اطفال، امراض عامہ اور حمیات وغیرہ کے تذکرہ سے یہ کتاب خالی ہے، جس سے گمان ہوتا ہے کہ ان امراض کا تذکرہ آخری دس مقالات یعنی ۲۰-۱۱ میں کیا گیا ہوگا، جو ہنوز دستیاب طلب ہیں۔ مشہور مورخ ابن ابی اصیبعہ بھی دامن بچا کر نکل گئے۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کی عمر وفا نہ کر سکی ہوگی، ورنہ وہ اس اہم کام کو ضرور پایۂ تکمیل کو پہنچاتے۔

زیر تبصرہ حصے حسب ذیل پانچ مقالات پر مشتمل ہیں:

حصہ دوم:

مقالہ ۶: امراض دنداں- یہ ۱۵۷ ابواب پر مشتمل ہے۔

مقالہ ۷: امراض جلد- اس میں ۶۰ ابواب ہیں۔

مقالہ ۸: امراض صدر، ریہ و قلب- یہ ۱۳۸ ابواب پر مشتمل ہے۔

حصہ سوم:

مقالہ ۹: امراض معدہ- اس مقالہ میں ۴۲ ابواب ہیں۔

مقالہ ۱۰: امراض جگر، طحال و امعاء- یہ ۴۹ ابواب پر مشتمل ہے۔

بہر حال یونانی کونسل کی وساطت سے ۱۰ مقالات کی شکل میں جو کچھ بھی اردو داں اور اردو خواں اطبا تک پہنچا ہے، انتہائی اہم ہے۔ مختلف امراض کے معالجہ کے سلسلے میں تفصیلی اور تحقیقی مباحث سے مصنف کے تبحر علمی، معالجاتی حذاقت اور وسعت مطالعہ کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ بلا شبہ معالجات بقراطیہ میں بعض ایسے نکات بیان کیے گئے ہیں، جن کے گہرے مطالعہ سے طب یونانی میں معالجاتی تحقیق کی راہیں مزید ہموار ہو سکتی ہیں، مثال کے طور پر حصہ سوم میں امراض معدہ کے بیان سے پیشتر اس کی فزیالوجی انتہائی سائنٹفک انداز میں بیان کرتے ہوئے خلل معدہ کو ام

الامراض قرار دیا ہے، جس سے انتہائی نکتہ آفریں امر کی طرف رہنمائی ہوتی ہے:

> ایک طالب علم کو یقین کر لینا چاہیے کہ معدہ کے معاملے میں غفلت نہیں برتی جا سکتی۔ اس کے لیے کوئی عذر مسموع نہیں ہے، کیونکہ بدن کی صحت کا دارومدار معدہ کی صحت پر ہے۔"

اعضا کے امراض سے پیشتر اس کی فزیالوجی اور ماہیت کو عصری انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس حصہ کو اگر بالاستیعاب پڑھ لیا جائے تو پھر معالجہ کا مرحلہ انتہائی سہل ہو جائے گا، مثال کے طور پر دانتوں کے امراض سے پیشتر ان کی ماہیت اور کیفیت، امراض معدہ سے پہلے حالت معدہ کی پہچان، نفس مصورہ، تخلیق اور فوائد پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ امراض کی ماہیت میں بڑے فکر انگیز نکات بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح جن امراض کی وجہ تسمیہ بیان کی گئی۔ انہیں بھرپور کہا جا سکتا ہے، مثلاً "عشی جوعی" کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

> "اطبائے سابقین نے اس مرض کا نام پہلے 'جوع' رکھا، پھر جب اس کی توصیف میں اضافہ کیا تو "جوع شدید" رکھا، پھر معالجاتی انداز پر اسے "عشی جوعی" کے نام سے یاد کیا"

بعینہٖ غیر مکررہ اسہال کے سلسلے میں نہ صرف اصول علاج بلکہ "امتحان فضلہ" کی ہدایت سے طبری کی فن پر گرفت اور سائنٹی فک فراست کی غمازی ہوتی ہے:

> "طبیب کے لیے ضروری ہے کہ دوران کی ہر قسم کی نوعیت کا تعین کر سکے۔ خون کی اجابت کی صورت میں فوری طور پر علاج نہ شروع کرے۔ تاوقتیکہ یہ یقین نہ ہو جائے کہ مرض دوران بطن ہے اور خلط کیسی ہے، جس کی وجہ سے خون آ رہا ہے۔ مریض کے استفراغ کو برداشت کرنے کی قوت موجود ہے۔ جو استفراغ کیا جاتا ہے وہ فوری طور پر خلط کو خارج اور بدن کا تنقیہ کر دیتا ہے۔ اگر مریض کے کمزور ہو جانے یا خلط کی حدت کی بنا پر دوا کے استعمال سے آنتوں کے اندر سوجن آ جانے کا خدشہ لاحق ہو تو علاج اجابت کے ذریعہ نہ کیا جائے۔ بلکہ خلط کی تبدیلی تغیر اور اجابت بند کر کے کیا جائے۔ اعضا کو تقویت پہنچائی جائے، غذا کی اصلاح کی جائے۔ صرف ایسی غذائیں دی جائیں جو موذی خلط کی ضد ہوں۔ اگر خلط سوداوی ہو تو اسے تبدیل کرے۔ حدت کو جو کے ستو کے پانی سے، جس میں کسی قدر انار دانہ پکایا گیا ہو، تسکین پہنچائے۔"

مذکورہ دونوں حصوں کے مترجمین بھی حکیم سید خورشید علی اور جناب عارف الدین صاحب ہیں، جیسا کہ حصہ اول کے پیش لفظ میں وضاحت کردی گئی ہے، لیکن ان دونوں حصوں میں ان کا نام شائع نہ ہونا افسوسناک ہے۔ ریسرچ میں حوالوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ 'عذاب وثواب برگردن راوی ست' کے بموجب تسامحات کا ذمہ دار کون ہوگا یا حسن ترجمہ کے سلسلے میں کس کی ستائش کی جائے گی؟ علاوہ بریں مترجمین ومصنفین کہ بلاشبہ اعزاز بیدے دیا جاتا ہے تاہم اسے علم کی قیمت تو نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اس رجحان کی کسی صورت میں حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی۔

فی الحقیقت المعالجات البقراطیہ (اردو ترجمہ) طبی دنیا کے لیے ارمغان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں درج تدابیر، اصول علاج اور مجرب نسخوں سے عملی مطب میں بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ترجمہ کی زبان آسان، سلیس اور رواں ہے۔ نفیس کاغذ، عمدہ کتابت، معیاری طباعت نیز دلکش گیٹ اپ نے اسے ظاہری خوبیوں کا بھی حامل بنا دیا ہے۔ یہ کتاب جہاں عام عالمین فن (General Practitioners) کے لیے رہنمائے مطب کا کام دے گی، وہیں تحقیقی میدان میں کام کرنے والے طلبہ کے لیے ماخذ کا۔ امید کہ حصہ اول کی طرح ان دو حصوں کی بھی بھرپور پذیرائی ہوگی اور کونسل کی اس پیشکش کو بہ نظر ستائش دیکھا جائے گا۔

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۰ء)

•••

انڈین جرنل آف یونانی میڈیسن (IJUM) (انگریزی)

مدت اشاعت : ششماہی

جلد و شمارہ : ج ۱، ش ۱، ۲؛ ج ۲، ش ۱

ماہ و سن اشاعت : جنوری تا جون ۲۰۰۸ء، جولائی - دسمبر ۲۰۰۸ء، جنوری تا جون ۲۰۰۹ء

ضخامت : ۹۱، ۴۷، ۶۷ صفحات

ایڈیٹر انچیف : پروفیسر سید ظہور قاسم

چیف ایڈیٹر : پروفیسر ٹی، آر، سی، سنہا

زر تعاون : ۳۰۰ روپے (اراکین کے لیے ۲۰۰ روپے) سالانہ

ناشر : نیشنل اتوا ز منل سائنس اکیڈمی (NESA)، ۲۰۶، راج ٹاور-۱، الک نندا، کمیونٹی سنٹر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۱۹

یہ امر باعث طمانیت ہے کہ آج اردو کے علاوہ انگریزی جیسی بین الاقوامی زبان میں بھی طب یونانی کی بھرپور ترجمانی ہونے لگی ہے، جس کی غمازی انگریزی مجلہ انڈین جرنل آف یونانی میڈیسن (Indian Journal of Unani Medicine (IJUM) کے زیر تبصرہ شماروں سے ہوتی ہے۔ اس کا پہلا شمارہ (جنوری-جون ۲۰۰۸ء) حکیم عبدالحمید (۱۹۰۸-۱۹۹۹) کے نام معنون کیا گیا ہے۔ اس کلیدی شمارہ میں ۲۸ مشاہیر کے پیغامات شائع کیے گئے ہیں، جن میں سے اکثریت اطبا کی ہے۔ باقی حضرات بھی طب کے بہرحال بہی خواہ اور اس کی اسپرٹ سے واقف ہیں۔ ادارت کے فرائض ڈاکٹر (مسز) یاسمین شمسی اور ایگزیکٹیو ادارت ڈاکٹر محمد اکرم انجام دے رہے

ہیں۔ مجلس ادارت سے ۱۴ اطبا وابستہ ہیں۔ جب کہ مجلس مشاورت میں ۱۲ اطبا کے علاوہ چار ڈاکٹروں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس میں بنگلہ دیش اور سری لنکا کی نمائندگی بھی موجود ہے۔

ابتداء میں جرنل اور اکیڈمی کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور آغاز سخن میں یہ ضروری بھی تھا۔ گیارہ مقالات پر مشتمل اس شمارہ کی اہمیت کا اندازہ اس کے مشتملات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو درج ذیل ہیں:

- معدنی الاصل ادویہ کی حیثیت روایتی طریقۂ علاج میں طب یونانی کے خصوصی حوالے سے اور موجودہ طب میں معدنیات کے استعمال کے مواقع (ایم۔ ایس۔ وائی خان اور شمشاد بانو)
- تحقیق ''بواسیر'' ماہیت، اسباب و امراضیات، ماضی اور حال کے نظریات کی روشنی میں: رئیس الرحمن و یاسمین شمسی
- یونانی دواؤں کی حیات اندوختہ (Shelf life): عبدالرؤف اور ارشد علی
- بیش تخم دموی میں یونانی ادویہ کا کردار: محمد اکرم، اختر لیئیق، اطہر ایم یو اور احمد ایم
- فلفلین (Piperine) کے دوائی خواص، اس کے متخالف اثرات اور ممکنہ حل طب یونانی میں: عاصم علی خاں اور محمد رضوان
- ابتدائی بیش تخم دموی میں ایک نباتی فارمولے کے اثرات کا سرسری جائزہ: رومی، بشیر احمد صدیقی ایم۔ اے
- بھورلبیہ پر ایک مقامی نسخہ کے اثرات کا سرسری جائزہ: یاسمین شمسی و ہریندر کمار
- لازمی بیش طناب کی روایتی تدابیر: یونس منشی، ایم اقبال اور عفت آرا
- عمومی اضطرابی فساد فعل پر Convulus alsinoides کے اضطرابی اثرات کا جائزہ: یاسمین شمسی، تحسین احمد اور عاصم علی خان
- اسپورٹس میڈیسن اور یونانی ادویہ: عاصم علی خان، رضوان ایم اور یاسمین شمسی۔
- موضع ساتھی کے اطراف و اکناف میں یونانی ادویاتی پودوں کا سروے: کبیر، ایچ، خاتون،

جلد ا،شمارہ ۲ کے مشتملات درج ذیل ہیں:

- ماحولیات اور صحت عامہ کا تاریخی تصور از سعدیہ نکہت، محمد فضیل وغیرہ۔
- اسقاط الفوت (Missed Abortion): حمیدہ عاقل اور ایس، ایم عقیل۔
- فلفل سیاہ (Piper nigrum Linn.) کے معالجاتی خصائص: قدسیہ نظامی اور ایم اے جعفری۔
- عود صلیب.....محرک اعصاب مرکزی یونانی دوا: قدسیہ نظامی اور ایم اے جعفری۔
- قلبی عروقی امراض کی تدابیر واحتیاط میں غذا کا کردار: منہاج احمد اور یاسمین شمسی۔
- مختلف امراض میں علاج بالغذا اور غذائی تدابیر: فضیل، ایم نکہت، ایس وغیرہ۔
- معجون چوب چینی اور سفوف اسگندھ کا کردار قطنی قات کے تصیق میں.....: عبدالعزیز خاں، ایم، ذوالکفل وغیرہ۔
- ذاتی صفائی سے متعلق جلدی فسادات قمل کا وقوع...ایک مشاہداتی مطالعہ: احسن الہی، ایم، ذوالکفل وغیرہ۔
- بنگلور کے مڈل اسکول کے فربہ بچوں میں فربہی کی حالت: ایم، فاروق، ایم، ذوالکفل وغیرہ۔
- امور طبیعیہ کا تنقیدی مطالعہ، ترقی یافتہ انسانی فزیالوجی کی روشنی میں: قدیر، اے، اکرم، ایم وغیرہ۔

جلد ۲،شمارہ ا کے محتویات درج ذیل ہیں:

- قوم میں پیش رضاعتی (Pre lacteal) تغذیہ کے تعلق سے آگہی۔ سماج میں رائج غلط روایت: حمیدہ عاقل، ایس، ایم، عاقل رضوی وغیرہ۔
- قلتِ فولاد والے فقر الدم کی تدبیر بذریعہ مخصوص نباتی معدنی تالیف- سریری مطالعہ: فردوس ایم، خان، عاصم علی، فاطمہ سہیل اور معاذ، ایم۔

- یو کے لپٹس روغن فراری-ایک جائزہ: رضوان، ایم، خان، عاصم علی، شمسی، یاسمین
- شاہراہوں پر پائے جانے والے عام درخت مولسری کے فائدے نسائی مسائل میں۔ یونانی طبی نقطۂ نظر سے: سہیل فاطمہ، کبیر، ایچ، عاصم علی خاں، ناصر علی خاں
- ستاور کا کردار سیلان الرحم کے علاج میں نیز مرضعہ میں دودھ کی افزائش پر اس کے خصوصی اثرات: نزہت منظور اور سید تصدق گیلانی
- میدہ لکڑی کے دافع ورم اور دافع درد اثرات، یونانی اور جدید لٹریچر کی روشنی میں: رؤوف، اے، خان، اے، ایچ اور علی، اے
- حمل کی غذا سے متعلق پیچیدگیاں اور تحریزی تدابیر: روبی انجم، اے رؤوف اور آئی احمد
- تحریزی اور سماجی طب کا ارتقا عہد قدیم اور عہد وسطیٰ میں: سعدیہ نکہت۔
- سنگ بولی پر حجر الیہود اور شورہ قلمی کے اثرات ...... : سید تصدق گیلانی اور نزہت منظور۔
- زنجبیل کا کردار وجع المفاصل میں: مزمل رحمٰن، ایس، شاکر جمیل

مقالات کی اہمیت کا اندازہ ان کے موضوعات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ ہر مقالہ میں تحقیق کی روح موجود ہے، جو مجوزہ ضابطے کے تحت تجرباتی، سریریاتی تحقیقاتی مراحل طے کرنے کے بعد مرتب کئے گئے ہیں۔ ہر مقالہ کی ابتدا میں اختصاریہ کا التزام اسے ایک سائنٹی فک رنگ عطا کرتا ہے۔ اختصاریہ کے نیچے مقالہ کے صفحات اور حوالوں کی تعداد اور پھر کلیدی الفاظ درج ہیں اس کے بعد مقالہ کا آغاز ہوتا ہے۔ حسب ضرورت جداول اور متعلقہ خاکوں کا بھی اہتمام ہے۔ ہر مقالہ کے اختتام پر قدیم وجدید دونوں مآخذ کا التزام باعث طمانیت ہے۔

کاغذ معیاری، کتابت وطباعت شاندار اور ٹائٹل پیج معنیٰ خیز ہے۔

امید کہ یہ مجلہ علمی اور تحقیقی میدان میں طب یونانی کے فروغ وارتقا بالخصوص انگریزی داں حلقوں میں اس فن کے سائنٹی فک تعارف میں اہم رول ادا کرے گا اور انگریزی زبان میں داد تحقیق دینے والے ماہرین کے علاوہ نئے ارباب قلم اساتذہ اور ریسرچ اسکالرس اس کی وساطت

سے اپنی تحقیقات کو ارباب فن تک بآسانی پہنچا سکیں گے اور انگریزی زبان کے طبی سرمائے میں گرانقدر اضافہ ہوگا۔ اتنے معیاری طبی مجلہ کی اشاعت پر نیشنل انوائرنمنٹ سائنس اکیڈمی مستحق مبارکباد ہے۔ خدا کرے کہ طب یونانی کے فروغ کے لیے اٹھایا گیا یہ قدم مستحسن ثابت ہو اور ہمیشہ ترقی کی جانب گامزن رہے۔ آمین

(سہ ماہی نوائے طب وصحت، الٰہ آباد، اپریل۔ جون، ۲۰۱۰)

•••

قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے

نام کتاب : قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے

مولف : ڈاکٹر غلام قادر لون

ضخامت : ۳۵۳ صفحات

اشاعت : ستمبر ۱۹۹۹ء (طبع اول)

قیمت : ۱۳۰ روپے (پیپر بیک)

۱۷۰ روپے (مجلد)

ناشر : مرکزی مکتبۂ اسلامی، پبلشرز، جامعہ نگر،

نئی دہلی-25

متعصب مغربی مفکرین عہد وسطیٰ کو تاریخ کا تاریک ترین دور (Dark Period) قرار دیتے ہیں، جب کہ اس کے برعکس سارا یورپ اس وقت جہالت کی ظلمتوں میں ڈوبا ہوا تھا اور اسلامی ممالک بالخصوص بغداد علم و ہنر کی ارتقائی تنویروں سے جگمگا رہے تھے۔

تاریخی علوم کا ماہر و محقق اور عہد آفریں شخصیت جارج سارٹن اپنی شہرۂ آفاق کتاب تعارف تاریخ سائنس (Introduction to the History of Science) میں قدیم علم و حکمت کی کتابوں میں دعوت فکر و نظر دیتے ہوئے رقمطراز ہے:

"جو لوگ قدیم دانش و حکمت کے ذخیروں اور اصولوں سے استفادہ کے منکر ہیں، ان کو وصیت اور

نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس سلسلے میں غور وخوض سے کام لیں ،تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ فکر و ذہن کو اجاگر کرنے کے لیے علم قدیم کے ماٰخذ اور سرچشموں کو حاصل کرنے سے بڑھ کر اور کوئی چیز محرک نہیں ہے"۔

ڈاکٹر غلام قادرلون کا علمی وتحقیقی کارنامہ "قرون وسطی کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے" جب زیر مطالعہ آیا تو مجھے بیساختہ تاریخی علوم کے ماہر محقق اور عہد آفریں شخصیت جارج سارٹن ہی کا یہ قول یاد آیا:

"جو لوگ قدیم دانش وحکمت کے ذخیروں اور اصولوں سے استفادہ کے منکر ہیں، ان کو وصیت اور نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس سلسلے میں غور وخوض سے کام لیں تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ فکر و ذہن کو اجاگر کرنے کے لیے علم قدیم کے ماخذوں اور سرچشموں کو حاصل کرنے سے بڑھ کر اور کوئی چیز محرک نہیں ہے"۔

(Introduction to the History of Science)

مقدمہ میں مصنف نے لکھا ہے اور بجا لکھا ہے کہ:

''مسلمانوں کی پسماندگی کی اصل وجہ اگر ایمان وعمل سے ان کی دوری ہے تو دنیاوی لحاظ سے ان کے زوال کا اہم سبب سائنس اور ٹکنالوجی سے بے خبری ہے...... ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ ذہنی صلاحیت سے محروم ہیں۔ آج کے دور میں بھی وہ علم کی جس شاخ میں بلند مرتبہ پانے کا عزم کرتے ہیں، اس میں چوٹی کا مقام پاتے ہیں۔ اگر عہد زوال میں انہوں نے غالبؔ، اقبالؔ اور احمد شوقیؔ جیسے شاعر پیدا کیے تو سائنس کے شعبے میں کوئی صاحب کمال پیدا کیوں نہیں ہوسکتا ''۔

مذکورہ اقتباس مصنف کے جذب دردوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نوجوانوں میں عقابی روح بیدار کرنے کے لیے ڈاکٹر لون نے نہ جانے کتنے گنجہائے گرانمایہ کی ورق گردانی اور مطالعہ وتحقیق کے بعد درج ذیل اہم موضوعات پر گہرافشانی کی ہوگی:

علم کا مقام (اسلام میں)، تاریخ نگاری، جغرافیہ، معدنیات، نباتیات، حیوانیات، علم الکیمیا،

طبیعیات، فلکیات، ریاضیات، طب اور فلسفہ۔

مذکورہ اہم موضوعات پر تحقیق وتفتیش میں لون نے انتہائی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ ہر موضوع کے اواخر میں حواشی وحوالہ جات کے التزام نے کتاب کی قیمت میں اضافہ کردیا ہے۔ بیشتر کتابیں اور انسائیکلوپیڈیا عالمی شہرت کی حامل ہیں، جن کے ثقہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ان حوالوں نے اسے دستاویزی حیثیت عطا کردی ہے اور اسلام کے اس منور عہد پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے ارمغان بنادیا ہے۔ ان کے وسعتِ مطالعہ اور حسن ترتیب کی داد دینی پڑتی ہے، انداز بیان دلچسپ اور شگفتہ ہے۔ کتابت وطباعت اور کاغذ قابل رشک۔

کتاب کا دوسرا پہلو بھی غور طلب ہے، بہت سی معلومات تشنہ ہیں مثلاً رازی کی کتاب الحاوی الکبیر فی الطب کے لاطینی ترجمہ کا ہی ذکر ہے جو ۲۵ جلدوں پر مشتمل ہے، جب کہ اس شہرۂ آفاق کتاب کی عربی واردو اشاعتوں کا تذکرہ بھی ضروری تھا۔ اس کے عربی متن کی تدوین اور اشاعت کی سعادت سب سے پہلے ہندوستان کو حاصل ہوئی، چنانچہ اسکوریال کے نسخہ کو اساس بناکر دیگر دستیاب نسخ سے تقابل کے بعد دائرۃ المعارف، حیدرآباد نے سولہ سال کی مدت (۱۹۷۱-۱۹۵۵) میں اس کا مدوّنہ ایڈیشن بڑے تزک واحتشام کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ لیکن اس کی ۲۳ جلدیں ہی دستیاب ہیں۔ البتہ آخری ۲۲ ویں اور ۲۳ ویں جلدیں دو دو حصوں پر مشتمل ہیں، اس طرح اس کی تعداد لاطینی کے مماثل ۲۵ جلدوں تک پہنچتی ہے۔ اس کے اردو ترجمہ کا سہرا بھی ہندوستان کو حاصل ہوا چنانچہ مرکزی تحقیقاتی کونسل برائے طب یونانی نے منصوبہ بند طریقے سے اس پروجیکٹ کو تقریباً سر کرلیا ہے، بیشتر جلدیں شائع ہوکر منصۂ شہود پر آچکی ہیں اور باقی اشاعت کے آخری مراحل میں ہیں۔

اسی طرح ص ۲۶۱ پر لکھا ہے کہ رازی کی ایک اور ضخیم کتاب المنصوری جو دس جلدوں میں ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب دس مقالات پر مشتمل ہے نہ کہ دس جلدوں پر۔ دراصل رازی نے طب یونانی کی دائرۃ المعارف الحاوی الکبیر فی الطب جیسی مطول کتاب لکھنے کے بعد ایک

مختصر کتاب[Hand Book] لکھنے کی ضرورت محسوس کی اور نتیجہ کار ''کتاب المنصوری'' منظر عام پر آگئی۔ غالباً اس فاحش غلطی کا سبب ول ،دوران کا وہ اقتباس ہے جو اس کا ماخذ بنا۔محقق اور مورخ کو بڑے حزم و احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے بنیادی ماخذوں تک پہنچنا انتہائی ضروری ہے۔ بعض دفعہ اصل مخطوطہ کے تدوین وترجمہ کے منظر عام پر آنے کے بعد تاریخ وتحقیق کے بہت سے مفروضات(Hypotheses) گرد بن کر اڑ جاتے ہیں۔مذکورہ کتاب کا اردو ترجمہ مرکزی تحقیقاتی کونسل برائے طب یونانی نے الحاوی الکبیر کے ترجمہ سے بہت پہلے بڑے اہتمام سے شائع کردیا تھا۔

پیش لفظ ڈاکٹر محمد رفعت کے قلم کا مرہون منت ہے،لیکن حیرت ہے کہ انہوں نے یورپ کو ''یوروپ'' کیوں لکھا۔اردو ایک مستقل زبان ہے،اردو کا ایک مخصوص مزاج ہے۔اس میں یورپ کو یوروپ،امریکا کو امیریکا اور کشمیر کو کاشمیر لکھنا اتنا ہی معیوب ہے، جتنا انگریزی میں Europe کو Eurap یا America کو Amrica وغیرہ۔

اردو بڑی جاندار اور بڑی شاندار اور بڑی طرح دار نیز برگ گل کی طرح نازک زبان ہے اور معمولی لسانی یا نحوی لغزشوں کو برداشت نہیں کرپاتی۔مقدمہ میں (ص ۱۱)'دوران میں' کے بجائے صرف 'دوران' لکھنا کافی تھا،اس میں بجائے خود 'میں' شامل ہے۔اسی طرح ص ۱۲ پر واحد متکلم کا بکثرت استعمال طفلانہ معلوم ہوتا ہے،ظاہر ہے کتاب کا کریڈٹ مصنف کے علاوہ کسی دوسرے کو تو ملنے سے رہا۔جملے صیغہ واحد متکلم کے بغیر بلیغ ہو جاتے۔

انتساب ان مسلم نوجوانوں کے نام ہے،جن کے سوچنے اور غور وفکر کرنے کا انداز (Attitude) سائنٹفک ہے۔

خط کشیدہ لفظ ''کرنے'' کے بغیر بھی کام چل جاتا،غور وفکر میں خود فعل داخل ہے،اسی طرح انداز کے سامنے بین القوسین Attitude لکھنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی،اردو اگر اتنی حقیر اور کم مایہ زبان ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے محسوسات کے اظہار وابلاغ سے قاصر ہے تو اسے کیوں وسیلۂ تصنیف

بنایا گیا اور اگر نہیں اور بالکل نہیں تو بلاوجہ عبارت کی سلاست کو کیوں مجروح کیا گیا۔

کتاب کے آخر میں کتابیات کی فہرست کی کمی محسوس ہوتی ہے، اس سے اس میدان میں کام کرنے والوں کو یک گونہ مدد مل جاتی۔ کتاب بہر حال بہت ہی محنت اور عرق ریزی سے لکھی گئی ہے اس کے مطالعہ سے نوجوانوں کے ذہنوں کے دریچے کھلیں گے اور وہ متعصب معترضین کے بیجا اعتراضات سے دلگیر نہ ہوں گے۔ اسلاف کے کارنامے انہیں ہمیشہ آگے بڑھنے کے لیے مہمیز کرتے رہیں گے، وہ نئے حوصلوں اور اعتماد سے ہمکنار ہوں گے۔

خدا کرے کہ زیر تبصرہ کتاب قبول عام حاصل کر سکے، تا کہ مصنف کے جذبۂ تحقیق و تصنیف کی مناسب داد مل سکے۔ آمین!

(سہ ماہی نوائے طب و صحت، الٰہ آباد، جولائی۔ ستمبر ۲۰۱۰ء)

●●●

LIKE US ON
facebook
Tibbi Books for
Atiba Karam